ایل رجسٹر نمبر ۹۰۰

۹۰۶ء

ﷲ

اردوئے معلیٰ

دہلی

اردو علم ادب کا ماہواری رسالہ

جو

ملک کے مشہور اہل قلم کے نظم و نثر مضامین سے

آراستہ ہوکر

ہر انگریزی مہینے کی پچیسویں کو شائع ہوتا ہے

چندہ سالانہ معہ محصول ڈاک ایک روپیہ (عہ)

ایڈیٹر و پرپرائٹر

قربان علی بسمل

نے

اپنے شاہجہانی پریس دہلی کٹرہ گوکل شاہ میں چھپوا کر شائع کیا

شاہجہانی پریس دہلی کی خاص مطبوعات

رباعیات عمر خیام۔ معہ ترجمہ منظوم تاج الکلام جس میں عمر خیام کی مفصل سوانح عمری بھی شامل ہے سب سے پہلے عمر خیام کا فوٹو ہے اس کے بعد اسی صفحوں پر عمر خیام کی سوانح حیات ہے اور ایک سو بانوے ۱۹۲ صفحات پر ۳۴۴، فارسی عمر خیام کی رباعیاں اور ہر فارسی رباعی کے تحت میں باریک قلم سے ملک الکلام کی اردو رباعیاں بطور ترجمہ درج ہیں الغرض پونے تین سو صفحوں کا نادر مجموعہ بات پونڈ کا۔ سوا دو روپے (عہ/) مجلد پارچہ ڈھائی روپے (عِٰہ/) ہیں

رباعیات سرمد مرحوم۔ معہ ترجمہ اردو جواہر منظوم باضافہ رقعات حضرت سرمد حضرت سرمد شہید کا اورنگ زیب عالمگیر کے حکم سے قتل ہونے کا واقعہ کس نے نہ سنا ہوگا لیکن حضرت مولنا ابوالکلام آزاد نے جیسا موثر نقشہ اس کا کھینچا ہے وہ دیکھنے ہی سے تعلق رکھتا ہے پوری سوانح سرمد مولانا آزاد کے قلم سے ہے اور اس کے ساتھ سرمد کی تمام رباعیاں بھی معہ ترجمہ منظوم موجود ہیں۔ رباعیات سرمد اسلامی تصوف اور عارفانہ چٹکلوں کا ایسا نادر ذخیرہ اپنے اندر رکھتی ہیں کہ دنیا کی کوئی زبان ان کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ ترجمہ میں سرمد کا مستانہ رنگ جھلک رہا ہے قیمت ۱۴ر مجلد ایک روپیہ بلا رقعات ۱۲ر مجلد ۱۴ر

کبیر جنم ساکھی یعنی کبیر داس کے مفصل حالات زندگی۔ کبیر کے متعلق مختلف روایات مشہور ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ کبیر ہندو تھے کوئی مسلمان بتاتا ہے۔ لائق مصنف نے نہایت تحقیق سے کبیر کے حالات اس کتاب میں قلمبند کئے ہیں۔ اور ان کے اشعار بھی معہ اردو سلیس شرح کئے ہیں۔ آخر میں تلسی داس مصنف راماین کے مختصر حالات زندگی بھی تحریر ہیں۔ قیمت ۸ر

عیاش کی ڈائری شریف اور عصمت مآب عورتیں کیسے بدکار بنجاتی ہیں بدکاری کی ابتدا اور انتہا۔ ایک بدکار زندگی کتنی زندگیوں کو تباہ و برباد کرسکتی ہے۔ معاشرتی کمزوریاں کیا ہیں۔ اور کیسے دور ہو سکتی ہیں۔ اس مضمون پر ایسی دلچسپ جامع اور سبق آموز کتاب آج تک شائع نہیں ہوئی۔ قیمت ۸ر

جلد ۶ اُردوئے معلیٰ دہلی نمبر ۱

بابتہ ماہ جنوری ۱۹۲۸ء

الحمد للہ کہ اُردوئے معلیٰ کی یہ چھٹی جلد شروع ہوتی ہے۔ موجودہ نمبر میں دو کتابوں کا سلسلہ شروع کیا گیا ہے۔ ایک کرشن جنم ساکھی اور دوسری اسلامی مہمان نوازی۔ یہ دونوں کتابیں جناب مولوی محمد خلیل صاحب الفصانی انبہٹوی نے ترتیب دی ہیں۔ اس سے پہلے بھی کتاب کبیر جنم ساکھی موصوف نے ہمکو عنایت فرمائی تھی جو گذشتہ پرچوں میں مسلسل شائع ہو کر ختم ہو چکی اور اُس کو علیحدہ بھی کتابی صورت میں ہم شائع کر رہے ہیں جس کو ہندو مسلمانوں نے نہایت پسند کیا۔ ہم ناظرینِ اُردوئے معلیٰ کو یقین دلاتے ہیں کہ جسطرح کبیر جنم ساکھی نے ہر طبقہ سے خراجِ تحسین حاصل کیا اسی طرح یہ دونوں کتابیں بھی مقبول خواص و عوام ہوں گی۔

حضرتِ سید حکیم ناصر نذیر صاحب فراقؔ دہلوی جانشین حضرت خواجہ میر دردؒ کا ایک مضمون بعنوان "پانچ ہزار طنبورے اور ستار کا نذرانہ" موجودہ نمبر میں اس وجہ سے شائع نہ ہو سکا کہ ہمیں بعد از وقت وصول ہوا۔ آیندہ نمبر میں درج کیا جائیگا۔ جو قابلِ دید ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی چند مضامین نظم و نثر جو باقی رہ گئے اشاعت آیندہ میں درج کئے جائیں گے۔

دسمبر ۱۹۲۷ء کی ۲۹ر تاریخ نہایت منحوس تاریخ تھی۔ یوں تو ہندوستانیوں کے لئے ۲۷ء کا پورا سال کچھ اچھا ثابت نہیں ہوا۔ مگر اس سال کے آخر میں مسیح الملک حکیم حافظ محمد اجمل خاں صاحب کی اچانک موت نے اہل دہلی کو خصوصاً اور

اہل ہند کو عموماً مغموم کردیا۔ آپ ایسے ہر دل عزیز تھے کہ دہلی کے معتدد غیر مسلم رؤسا نے بھی ایسے پُرآشوب زمانہ میں مسیح الملک کے جنازہ کو کاندھا دیا۔ اکثر بیرون دہلی کے غیر مسلم ارکان اسمبلی بھی سید حسن رسول نما رح تک جنازہ کے ساتھ رہے۔

خاندانی دستور کے بموجب جناب حکیم محمد احمد خاں صاحب خلف اکبر جناب حاذق الملک حکیم محمد عبدالمجید خاں صاحب مرحوم و مغفور بانی مدرسہ طبیہ مسیح الملک کے جانشین ہوئے۔ اور طبیہ کالج کے پریسیڈنٹ حکیم محمد جمیل خاں صاحب مقرر کئے گئے۔ جو مسیح الملک کے فرزند ارجمند ہیں۔

اللہ تعالےٰ نے مسیح الملک کو جنت نصیب کرے اور اُن کے جانشینوں کو اُن کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا الٰہ العالمین۔

موت سے تیری محمد اجمل کیسا سنسان ہے باغ محمود
قطع کر فرق اُمید اب بسمل بجھ گیا آج چراغ محمود
۱۳۴۷ - ۱ = ۱۳۴۶

۱۵ر جنوری ۱۹۲۸ء کو علاقہ نمبر ۱۱ کے مسلمانوں کی طرف سے بیڈن کلب (ملکہ کے باغ) میں جناب محمد تمیز الدین خاں صاحب میونسپل کمشنر دہلی کو الوداعی دعوت دی گئی۔ موصوف افغانستان جارہے ہیں۔ حکومت افغانستان نے ٹیلیگراف کے محکمہ میں آپ کو سپرنٹنڈنٹی کا عہدہ عطا کیا ہے۔ آپ نے اپنے دور ممبری میں اہل علاقہ کے لئے میونسپلٹی میں سینہ سپر ہوکر بہت سے مفید کام انجام دئے۔ اور حق تو یہ ہے کہ حق ممبری ادا کردیا۔ تمام علاقہ آپکی جدائی کا افسوس کر رہا ہے۔ اور جدائی کا افسوس اس لئے کر رہا ہے۔ کہ ان کے بعد کوئی ایسا نظر نہیں آتا۔ جو علاقہ والوں کا ایسا سچا ہمدرد ہو جیسے کہ تمیز الدین خاں تھے۔

ہم اپنے مخلص دوست کے لئے دست بدعا ہیں کہ الٰہی جس طرح تونے تمیز الدین خاں کو علاقہ نمبر ۱۱ کا محبوب بنایا اسی طرح سارا افغانستان اُن کے حُسن عمل پر فریفتہ ہو۔ آمین۔

قوس قزح لاہور کا سالانہ نمبر بہ "نقاش نقش ثانی بہتر کشد ز اوّل" کا مصداق ہے۔

[illegible] تقطیع کے ۱۶ ۲ صفحہ کاغذ بھی اعلیٰ [illegible] مشہور و معروف شعراء و نثر نگار حضرات کے نتیجہ [illegible] مضامین۔ اس کے علاوہ آرٹ پیپر پر ستائیس عکسی تصاویر اور [illegible] پھر ایک روپیہ قیمت۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ محمد وحید صاحب گیلانی بی۔ اے نے [illegible] سستی قیمت کیونکر رکھی ہے۔ حضرت شاہجہاں بادشاہ [illegible] فردوسی۔ [illegible] نظامی۔ [illegible] سعدی و حافظ شیرازی [illegible] کی تصاویر [illegible] میں ایک سے ایک بڑھ چڑھ کر ہے۔ اگر [illegible] ایک تصویر کے چار [illegible] لگائے جائیں۔ تو ستائیس تصویروں کے ستائیس آنے ہوتے ہیں۔ ان کے علاوہ [illegible] کے تحت میں غزلیات، افسانے، تاریخی حالات وغیرہ ہیں جو چوٹی کے شاعروں، ادیبوں، نامی افسانہ نگاروں کے زورِ قلم کا نتیجہ ہیں۔ سچ میں تو یہی کہوں گا۔ کہ جس نے قوس قزح لاہور کا سالانہ نمبر نہیں دیکھا اس نے کچھ بھی نہیں دیکھا۔ [illegible] کہ ایک روپیہ کو نہ دیکھو۔ بلکہ قوس قزح لاہور کو دیکھو۔

قطعات

از حضرت امجد حیدرآبادی

عشق کی ہے ابھی تو بسم اللہ — ہر طرف بیٹھا ہے معنے ہیں
نقطۂ با کا رمز کیا ہو گا — اک الف کے ہزار معنے ہیں

دیگر

پلٹی ہر چیز اپنی فطرت کی طرف — بدکار بھی توبہ کر کے پھر نیک ہوا
دس ہوں یا سو ہوں یا ہزار آخر کار — جب صفر مٹا پھر ایک کا ایک ہوا

جذباتِ شاکی

جانشین مضطر خیرآبادی

دونوں عالم ہی سے کرنا ہے اگر گم مجھکو — اپنے ہاتھوں سے بنا جاؤ تم اک خُم مجھ کو
اہلِ دُنیا سے حسد اہلِ فلک کرتے ہیں — وصل میں گھورتے ہیں دیدۂ انجم مجھ کو
نہ بتائیں تری زلفیں تو میں کس سے پوچھوں — کن خیالاتِ پریشاں نے کیا گم مجھ کو
یہ بھی کیا کم ہے کہ گلشن میں کھلے جاتے ہیں — دیکھ کر غنچہ و گل محوِ ترنم مجھ کو
مے وضو کیلئے دیتا نہیں ساقی تو نہ دے — خاکِ میخانہ سے کرنے دے تیمم مجھ کو
بحرِ اُلفت سے نہ دے بحرِ فنا میں غوطے — اپنی موجِ دلِ پُرخوں کا تلاطم مجھ کو
گدگدایا کئے گو دستِ نسیمِ گلشن — وہ کلی ہوں کبھی آیا نہ تبسم مجھ کو
وہ تھے پابندِ حیا۔ میں تھا سراپا حیرت — نہ ملا وصل میں بھی لطفِ تکلم مجھ کو

آہ بھی لب پہ نہ آئی کبھی شکوہ بن کر
ایسی حالت میں تو شاکی نہ کہو تم مجھ کو

تصویرِ سخن

ملی راہِ حقیقت میں جو چشمِ دوربیں ہم کو — تو ہر شے میں نظر آیا وہی پردہ نشیں ہم کو
ادا تو دیکھئے اُس کی نظر آتا نہیں ہم کو — مگر آواز دیتا ہے رگِ جاں کے قریں ہم کو
اُٹھائیں سختیاں ہی سختیاں زیرِ فلک ہم کو — ملا آرام اگر کچھ۔ تو ملا زیرِ زمیں ہم کو
رہیں گی محوِ نظارہ ہی یہ حسرت بھری نظریں — ہمیں کیا۔ دیکھے جائیں ہو کے وہ چیں بر جبیں ہم کو
اسی امید میں در در کی ہم نے ٹھوکریں کھائیں — کہ جس کا شوق ہے شاید وہ مل جائے کہیں ہم کو

ضرور اک دن خیالِ زلفِ شبگوں رنگ لائیگا
کسی دن ڈس ہی جائے گا یہ مارِ آستیں ہم کو

نظر کے اک اشارہ میں ہماری مغفرت ہوگی
شفاعت کا وسیلہ ہے وہ چشم سُرمگیں ہم کو

شہ کونین کی نعلین جب تاجِ کرامت ہے
نہ ہو نقش کفِ پا کس لئے نقش نگیں ہم کو

ہوئی روشن جو شمع عشق محبوبِ خدا دل میں
چھٹے ظلمت سے حاصل ہوگیا نور یقیں ہم کو

مُعاون ہی ہمارا فضلِ ربانی تو کیا پرواہ
ضرر پہنچا نہیں سکتا کسی کا بغض و کیں ہم کو

یہی ہے بارگاہِ حق میں اپنی التجا شبنمؔ
میسر ہووے مدفن کو مدینہ کی زمیں ہم کو

("مُصوّر سخن" شبنمؔ سکرد دھوی)

سیرتِ باقی حضرت خواجہ باقی باللہ نقشبندی اُویسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات زندگی جناب حافظ سید عزیز حسن صاحب بقائی نقشبندی مدیر رسالہ پیشوا دہلی کے قلم سے حضور خواجہ صاحب کے سوانح حیات بقائی صاحب نے تیرہ کتابوں سے انتخاب کرکے سلیس اُردو کے سانچے میں ڈھالے ہیں۔ گویا سیرتِ باقی ایک درجن کتابوں کا مخزن ہی۔ سب سے پہلے آرٹ پیپر کے پوری صفحہ پر مزار پُرانوار خواجہ صاحب رضؓ کا عکسی نقشہ ہی جسمیں ایک طرف بقائی صاحب مؤدبانہ کھڑے ہوئے دعا مانگ رہے ہیں۔ اُس کے بعد آٹھ صفحوں پر مؤلف ممدوح نے دیباچہ لکھا ہے۔ اُس کے آگے دو صفحوں پر سیدی و مولائی حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب کا تبصرہ ہے۔ اور پھر مسلسل ۱۰۹ چکنے ولایتی کاغذ کے ۱۱۱ صفحوں پر حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے حالات۔ ارشادات اور ملفوظات ہیں۔ ایک سو بارہ سے ایک سو سولہ ۱۱۶ صفحوں تک بقائی صاحب نے اپنی سرگزشت لکھی ہے اور اس کے ساتھ اپنا عکسی فوٹو بھی شامل کیا ہی۔ اسقدر ضخامت پر بارہ آنہ قیمت صرف اسوجہ سے رکھی گئی ہی کہ اہل سلوک خصوصًا اور عامۃ الناس عمومًا اس بیش بہا اور کم قیمت کتاب سے فائدہ حاصل کرسکیں۔ کتاب ملنے کا پتہ :۔ دفتر رسالہ پیشوا دہلی۔

ترقی :۔ کہنے کو تو نیا پرچہ ہی مگر اس کا اڈیٹر اور سرپرست نہایت کہنہ مشق مضمون نگار ہیں

حضرت سعید ہاشمی ترقی کے ایڈیٹر اور مفتی شوکت علی صاحب فہمی ایڈیٹر رسالہ دین و دنیا و اخبار طاقت دہلی اس کے نگراں ہیں۔ ایڈیٹر صاحب کا تعارف افتتاحیہ۔ اور فہمی صاحب کا مضمون "ترقی کے دور میں آ" تعریف و توصیف سے مستغنی ہیں۔ ان کے علاوہ "سجدۂ نیاز کا راز" "آہ وہ کیا چیز ہے" "اسلام رحمت کا سرچشمہ ہے" "جاذبی یا پابندی ہماری دنیاوی ترقی" "درکار ہیں چند بے کار" "ناکام مہاجر" "دل اور غلاموں کی ضرورت ہے" "دور ہو اے خیال مرگ" "حکیم عمر خیام کی پُرکیف زندگی" القصہ متعدد عنوانات کے تحت میں شفق عماد پوری ماسٹر غلام محمد صاحب، سردار علی صاحب صابری، ابو الفیض محمد احسان اللہ صاحب عباسی، فصیح انصاری صاحبان کے مضامین دیکھنے کے قابل ہیں۔ جونتی کے جنازہ کے عنوان سے سید محمد شفیع الدین صاحب علوی کاکوروی نے جو فسانہ تحریر کیا ہے اپنے رنگ میں انوکھا ہے۔ $\frac{20 \times 26}{4}$ کے ۳۲ صفحے اور چندہ سالانہ صرف ایک روپیہ ہے۔ **ملنے کا پتہ:-** منیجر رسالہ "ترقی" زیر جامع مسجد۔ **دہلی۔**

پیمانہ:- پہلے آگرہ سے نکلتا تھا پھر چند روز کیلئے لاہور سے نکالا گیا تیسرے دور میں دہلی سے شائع ہوا ہے۔ اسکے مدیر حضرت سیماب اور جناب ساغر تعارف سے بے نیاز ہیں۔ اردو علم ادب کا ہر طبقہ ان سے اور آپکے کلام سے واقف ہے۔ حضرت سیماب کی جدت طرازی ہمارے تخیلات سے بالا ہے اور ساغر صاحب کی نازک خیالی و انداز بیان تو انہی کا حصہ ہے خدا کرے کہ پیمانہ کو دہلی میں سکون اور بادہ نوشان تخیلات جدیدہ کو ساغر و پیمانہ کی لذت اندوزی سے تسکین ہو۔ قیمت سالانہ ذریعہ منی آرڈر چار روپیہ اور وی پی سے سوا چار روپیہ۔ **اشاعت گاہ:-** دار التصنیف۔ زیر جامع مسجد۔ **دہلی۔**

نظام گزٹ:- حیدرآباد دکن کا ہفتہ وار اخبار ہے جو سید وقار احمد صاحب ایم۔ اے اور محمد حبیب اللہ رشدی ایم۔ اے کی زیر ادارت چار مینار سے شائع ہوتا ہے۔ ہر اخبار میں ایک عکسی فوٹو ضرور ہوتا ہے۔ کاغذ ولایتی چکنا تقطیع $\frac{20 \times 26}{4}$ کے ۸ صفحات میں اسکے شذرات اور ایڈیٹوریل مضامین قابل دید ہیں۔ لوکل خبروں کے علاوہ دنیا بھر کی خبریں اسمیں درج ہوتی ہیں۔ مختلف معلومات کے متعلق شعر و سخن اور راماین وغیرہ مشہور کتابوں کے تراجم بھی اس میں لکھے جاتے ہیں۔ چندہ سالانہ ہے، ششماہی ۶؍ اور ایک پرچہ کی قیمت ڈھائی آنہ (۲؍) ہے

دفتر نظام گزٹ چار مینار حیدرآباد دکن سے طلب کیجئے۔

جناب کنور مقصود علیخاں صاحب شبنم رکن خصوصی بزم ادب سکرودہ نے اپنی کوشش سے اردوئے معلّٰی کے پچاس خریداروں کی توقع دلائی ہے۔ موصوف کی قدر افزائی کا ہم شکریہ ادا کرتے ہیں۔

خوشی کے دام

(از ایس۔ ایم رمضان صاحب مستری۔ ہیڈ منشی۔ فیروزپور)

(بہ سلسلہ ماہ نومبر)

(۱۸)

مشیر قانون اپنی پہلی کوشش میں ناکام رہکر کچھ عرصہ تک اپنی شکست پر دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتا رہا۔ بالآخر اُس ایک نئی تجویز سوجھی ٹیلیفون کا آلہ منہ سے لگاتے ہوئے ٹیلیفون نمبر ۹۱۳ سے یوں مخاطب ہوا۔

مشیر قانون۔ کیا آپ مسٹر ولیم ہیں؟

آواز۔ جی ہاں۔ جناب ارشاد۔

مشیر قانون۔ ایک نہایت ضروری کام درپیش ہے چند منٹوں کے لئے غریب خانہ پر ضرور تشریف لائیے۔

تھوڑی دیر کے بعد ایک نوجوان شخص مشیر قانون کے کمرے میں داخل ہوتا ہے یہ نووارد شخص بنام مسٹر ولیم ایک مقامی تھیٹریکل کمپنی میں ایکٹر ہے۔ نہایت وجیہہ اور شکیل ہے تماشہ گاہ میں جب وہ رقص یا نقل کرتا ہے تو اُس کی تیز رفتار پر لوگ عش عش کرتے ہیں اور سادہ لوح تماشائی تو حسینوں کے میلوں کے پیچھے بھی ... نقل کرتا ہے۔ ... اور حفظ اوقات موجود ہے کہ ایک ایک لفظ پر تھیٹر میں سماں بندھ جاتے ہیں۔ ... ولیم خوب دسترس رکھتا ہے۔ قدرت کا عطیہ یعنی حسن و جمال اور اُس کا رنگین انداز بین کی کشش کو اپنی طرف منعطف کرنے کے لئے بہترین تیغ بکف رہتا ہے۔ ... منظور نظر کے ... رہتے ہیں ... کیا جاتا ہوا جادو ہے۔ ... مسٹر ولیم کہا ...

فخر و ناز ہے۔ اور وہ اس کی طاقت سے بے خبر نہیں ؛

مسٹر قانون ۔ میرے دوست! آج میں نے آپ کو ایک خاص کام کے لئے یہاں آنے کی تکلیف دی۔ مگر امید واثق ہے۔ کہ اگر آپ کو اُس میں کامیابی حاصل ہوئی۔ تو آپ اپنے تئیں ایک ایسے پُرفضا باغ میں پائیں گے۔ جہاں بادِ بہاری کا دور دورہ ہے۔ آپ محسوس کریں گے کہ آپ کا دل اُس کی گلچینی سے بدرجۂ غایت محظوظ ہو رہا ہے۔

مسٹر ولیم ۔ اجی حضرت! اشارہ کنایہ چھوڑئے۔ ذرا واضح طور پر کہئے۔ کہ آخر کیا معاملہ ہے؟ ۔

مسٹر قانون ۔ مسٹر گرے کی شادی کے حالات سے اور دیگر کوائف سے تو آپ واقف ہوں گے۔ مسٹر گرے کو یہ شہر چھوڑے کچھ عرصہ گزر چکا ہے۔ وہ اپنے خط میں لکھتے ہیں۔ کہ اُن کی حالت اب بہتر ہے۔ ابھی دماغی کمزوری کچھ باقی ہے۔ علاج بدستور جاری ہے۔ مسٹر گرے کی عدم موجودگی میں اُن کے گھر میں لڑکا تولّد ہوا۔ مسٹر گرے کی والدہ اور ہمشیرہ کی طرف سے مجھے یہ ہدایت ہوئی ہے۔ کہ کسی نہ کسی صورت سے وہ لڑکا مسز گرے سے لے لیا جائے۔ چنانچہ میں نے اپنے طور پر مسز گرے کو روپیہ وغیرہ کا لالچ بھی دیا۔ اور بچّہ کی آیندہ تعلیم و تربیت کے متعلق بھی بہت کچھ کہا سُنا۔ لیکن میری تمام تجاویز کو مسترد کر دیا ؛

مسٹر ولیم ۔ آپ مجھ سے کیا کام لینا چاہتے ہیں؟

مسٹر قانون ۔ میرے دوست! مسز گرے اپنی دکان کے کاروبار کو حسبِ دستور سابقہ سنبھالے ہوئے ہے۔ اور دُکان کے اوپر اُسی پُرانے مکان میں اقامت گزین ہے۔ ماشاء اللہ آپ خوبرو ہیں۔ اور مسز گرے بھی حُسن میں کم نہیں۔ وُہ حُسن کی دیوی ہے۔ اور حُسن کے پُجاری اُس کی پرستش کے لئے ہر شام اُس کے گرد گھیرا ڈالے رہتے ہیں۔ کئی " دل فروش، اپنی

جبینِ نیاز اُس کی چوکھٹ پر خم کئے دکھائی دیتے ہیں۔ لیکن وہ قتالۂ عالم کسی کو بھی خاطر میں نہیں لاتی۔ اگر آپ ہر روز وہاں جاکر اپنی خداداد کشش سے کام لیں۔ اور اُس پر ہر ممکن طریق سے عشق کے ڈورے ڈالنے کی سعی فرمائیں۔ تو اغلب ہے۔ کہ حضرتِ عشق کے زیر اثر وہ خاوند کا خیال چھوڑ کے اور بچے کی طرف سے بھی بے اعتنا اور لاپرواہ ہوجائے۔ اور ہمارا مقصد برآئے۔ کیونکہ مسٹر گرے اپنی بیوی سے آیندہ کوئی تعلق رکھنا نہیں چاہتے صرف لڑکے کو اپنے قبضہ میں کرنے کے آرزومند ہیں۔ اگر آپ نے ہمت واستقلال سے کام لیا۔ اور اُسے محبت کے جال میں پھانس لیا۔ تو ہمارا مقصد برآئے گا۔ کیونکہ عشق ومحبت کا سودا جب سر میں سما جائے۔ تو نیک وبد کی نہیں سوجھا کرتی۔ اور جذبۂ عشق کا محرک یا تو "حسن ہوا کرتا ہے" یا "باطنی نیک صفات" +

مسٹر ولیم۔ مجھے یوں تو کئی مرتبہ اُس کی دُکان پر جانے کا اتفاق ہوا ہے۔ اس میں شک نہیں۔ کہ وہ پیکرِ حسن ہے۔ لیکن سادہ مزاج۔ اور پرلے درجہ کی شریف الطبع ہے۔ باوجود "مجسمۂ حسن وجمال" ہونے کے شرافت اُس میں کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ وہ ایک آفت کا پرکالہ ہے۔ جس کے قدم قدم پر محشر بپا ہوتا ہے۔ نگاہیں کیا ہیں۔ گویا "ریوالور" ہیں۔ کہ جس طرف جا پڑیں۔ کام تمام کر گئیں۔ اُس کی ناز وادا کے ہزاروں دل شکار ہوتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے۔ کہ جوہر شرافت اِن سب پر حاوی اور فائق ہے۔ اُمید نہیں۔ کہ وہ عشق کے جال میں پھنس جائے۔ اور اُس کا قدم شرافت کی راہ پر سے لغزش کھا جائے۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس جدوجہد میں آپ کی طرح میں بھی منھ کی کھاؤں گا +

مشیرِ قانون۔ آپ گھبرائیے نہیں۔ استقلال کا بیڑا پار ہوا کرتا ہے۔

اپنے دل کے ولولے نکالنے کی کوشش کریں۔ کامیابی پر ہم جناب کی خدمت میں ایک معقول رقم بطور نذرانہ بھی پیش کریں گے۔ آم کے آم گٹھلی کے دام۔ اجی صاحب! اس پر بھی کیا آپ کو یہ سودا مہنگا ہے۔

مسٹر ولیم ۔ کامیابی کا تو مجھے یقین نہیں۔ خیر آپ کے کہنے پر کوشش کرونگا۔

مشیر قانون ۔ (نوٹ بونڈ کا نوٹ دیتے ہوئے) بہت خوب۔ لیجئے۔ اس کارروائی کے متعلق مجھے تفصیلی حالات سے وقتاً فوقتاً ضرور آگاہ فرماتے رہئیے گا۔

مسٹر ولیم ۔ بہت اچھا۔ اب رخصت دیجئے۔ میں حسب الارشاد اپنی کوشش کے نتیجے سے آپ کو مطلع کرتا رہونگا۔ خدا حافظ۔

:(۱۹):

مسٹر ولیم اپنے ضروری مشاغل سے فارغ ہوکر ہر روز مسز گریسے کی دکان پر جاتا۔ اور کوئی نہ کوئی چیز خرید کر واپس چلا آتا۔ یونہی کئی روز گزر گئے۔ اب وہ اس دکان کے مستقل خریداروں میں شمار ہونے لگا۔ جب کبھی اُسے مسز گریسے کے ساتھ گفتگو کرنے کا موقع ملتا تو وہ بیحد محتاط نہایت متانت وسنجیدگی سے بات چیت کرتا۔ زیادہ بے تکلف دوستانہ حالات تک پہنچنے کے لئے اُس نے اسی میں مصلحت سمجھی۔ کہ وہ ابتدا میں اپنی شرافت کا ایک اعلےٰ نمونہ پیش کرے۔ جس سے مسز گریسے خواہ مخواہ متاثر ہو۔ اور یوں اعتبار استوار ہوجانے کے بعد وہ آسانی کے ساتھ اپنا اُلو سیدھا کرسکے۔

زمانہ سازی اور حکمت عملی بھی فی زمانہ مطلب برآری کے اعلیٰ ذرائع ہیں۔ جن سے کچھ عرصہ کے لئے حقیقت حال روپوش رہ سکتی ہے۔ اور اس پردہ داری کی بدولت گلستان کذب وفریب میں کچھ ایسے گل کھائے بوقلموں کی نمائش ہوتی رہتی ہے۔ کہ دیکھنے والوں کی آنکھیں اُن کی ضیاپاشی سے خیرہ ہوجاتی ہیں۔ لیکن یہ سماں عرصہ تک قائم نہیں رہ سکتا پردہ اُٹھتے ہی جونہی آفتاب حقیقت رُونما ہوتا ہے۔ وہ سب گلکاریاں قطرۂ شبنم کی طرح کافور ہوجاتی ہیں۔ اور اصل واقعات روز روشن کی طرح پیش نظر ہوجاتے ہیں۔

ایک روز مسٹر ولیم دُکان میں کچھ سودا خرید رہا تھا۔ چائے کا وقت تھا۔ مس ایلین نے آکر مسز گرے کو اطلاع دی کہ " چائے تیار ہے " ۔

مسز گرے نے بتقاضائے اخلاق مسٹر ولیم کو (جسے وہ ایک شریف زادہ تصوّر کرتی تھی) اُس وقت اپنے ساتھ چائے نوشی میں شریک ہونے کے لئے مدعو کرنا مناسب سمجھا۔ چنانچہ دونوں نے بالاخانہ پر جاکر چائے پی۔ اور کچھ وقت اِدھر اُدھر کی گفتگو میں گزر گیا۔ اس موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے مسٹر ولیم نے مسز گرے کے دل میں اپنے نیک اخلاق ہونے کا اثر پیدا کرنے کے لئے خاص کوشش سے کام لیا۔ ہر ایک لفظ اور جملہ نہایت احتیاط کے ساتھ استعمال کرتا رہا۔ اثنائے گفتگو میں مسز گرے سے یوں مخاطب ہوا۔

مسٹر ولیم — دو ایک روز میں میرے غریب خانہ پر ایک مہتم بالشان ضیافت کا اہتمام ہونے والا ہے۔ جس میں چند شرفاء اور خواتین شریک ہوں گی۔ روحانی غذا (موسیقی) کا انتظام ہوگا۔ کچھ وقت ناچ رنگ کے لئے بھی مخصوص ہوگا۔ کیا میں اُمید کرسکتا ہوں۔ کہ آپ اس ناچیز کی دعوت کو منظور فرمائیں گی۔ آپ کی تشریف آوری میرے لئے باعث فخر و مباہات ہوگی۔

مسز گرے — میں آپ کی اس توجہ اور عنایت کی مشکور ہوں۔ امر واقعہ یہ ہے کہ ایک عرصہ سے میں کسی تفریحی مجلس میں شریک نہیں ہوئی۔ وجہ یہ ہے۔ کہ طبیعت ہی نہیں چاہتی۔ نامساعدتِ زمانہ کے ہاتھوں دل کچھ ایسا مُرجھا سا گیا ہے۔ کہ دُنیا کی دلفریبیاں سب ہیچ نظر آتی ہیں۔ دل اب گوشۂ تنہائی کو ہر بات پر ترجیح دیتا ہے۔ اُمید ہے کہ آپ مجھے معذور سمجھتے ہوئے مُعاف فرمائیں گے۔

مسٹر ولیم — آپ تشریف لاتیں۔ تو دل بہلنے کا کچھ سامان ہوجاتا۔ کچھ وقت رنگ رلیوں میں گزر جاتا۔ کچھ دفع الوقتی ہوجاتی ۔

مسز گرے — میں آپ کی نوازش کی بیحد ممنون ہوں۔ اور معافی چاہتی ہوں۔

مسٹر ولیم نے جب دیکھا۔ کہ مسز گرے دعوت منظور کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اُس نے

زیادہ اصرار کرنا خلاف مصلحت سمجھا - اور سلام کرتے ہوئے وہاں سے رخصت ہوگیا - (باقی آیندہ)

تصوّف

(مرزا بشیر الدین احمد صاحب - از بنارس)

انسان کا دل اور دماغ خالق دوجہاں کی بخشی ہوئی نعمتیں ہیں - انسان کے قالب خاکی میں یہ غیبی خزانے بے مثل ہیں - دُنیا عالم خیال ہے - اور دنیا کے تمام تخیلات انسانی دل و دماغ کے رہین منت ہیں - عربی، فارسی، سنسکرت، انگریزی، موسیقی علوم حاصل کرنا، ذہانت اور ظبّاعی سے طرح طرح کی باتیں ایجاد کرنا - یہ سب باتیں دل و دماغ سے لگاؤ رکھتی ہیں - ہر آدمی کو ہندو ہو یا مسلمان انگریز ہو یا فرانسیسی دل و دماغ صحیح رکھنے کی اشد ضرورت ہے - ہر قسم کے علوم و فنون کی تحصیل دل و دماغ کی صحت پر منحصر ہے - ان کے بغیر نہ کوئی مولوی مولوی ہوسکتا ہے - نہ کوئی پنڈت پنڈت - اور نہ کوئی فلاسفر صحیح معنوں میں فلاسفر بن سکتا ہے - جب دنیا کے سب کاموں کیلئے اچھے دل و دماغ کی ضرورت ہے تو اُس قادر مطلق خالق بے چون کی محبّت کا راستہ ڈھونڈھنے کے لئے اچھے سے اچھے دل و دماغ ہونے چاہئیں - افسوس کہ انسان مخلوق ہوکر اپنے خالق کو بھول جاتا ہے اور دنیا کے لہو و لعب میں گرفتار ہوکر اپنے فرائض بندگی پس پُشت ڈالدیتا ہے - مگر اسی دورنگی دُنیا میں خدا کے ایسے ایسے برگزیدہ بندے بھی ہوئے ہیں جنھوں نے ایک نظر کیمیا اثر ڈالتے ہی خصلت انسان کو تانبے سے سونا - رانگ سے چاندی - اور پتھر سے پارس بنادیا - ان ہی نیک بندوں میں سے ایک حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں جو سلطان المشائخ محبوب الٰہی حضرت خواجہ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ کے فیض صحبت سے

کہاں سے کہاں پہنچ گئے۔ آپ نے منازل تصوّف میں جو جو مدارج حاصل کئے ہیں اُن کی کیفیت سے وہی لوگ لذّت اندوز ہو سکتے ہیں۔ جن کو حضرت امیرؒ کی تصانیف کے مطالعہ کا شرف حاصل ہوا ہو۔ چند صفحوں میں اُنکا قلمی نقشہ پیش کرنا تحصیل حاصل ہے۔ سلطان جی سے بیعت حاصل کرتے ہی دُنیا کی دولت و حشمت پر لات ماردی۔ جو کچھ نقدو جنس پاس تھا خدا کی راہ میں لُٹا دیا۔ اور ہاتھ جھاڑ کر بیٹھ گئے محبوب الٰہی فرمایا کرتے تھے کہ جب قیامت میں سوال ہوگا کہ نظام الدّین کیا لایا ہے تو خسرو کو پیش کرونگا۔ دعا مانگتے تھے تو خسرو کی طرف اشارہ کرکے کہتے کہ الٰہی سوزِ سینۂ این ترک مرا ببخش۔ حضرت امیر خسرو رحؒ بھی پیر کے دریائے عشق میں غرق تھے۔

سلطان جی ایک روز بالاخانہ پر رونق افروز تھے۔ سامنے دریائے جمنا بہہ رہا تھا۔ آپ ہندوؤں کے اشنان اور عبادات کا تماشہ دیکھتے دیکھتے فرمانے لگے۔

ہر قوم راست راہے دینے و قبلہ گاہے

اُسوقت خواجہ صاحب کے سرِ مبارک پر ٹوپی ذرا ٹیڑھی رکھی ہوئی تھی۔ حضرت امیر خسرو رحؒ نے برجستہ عرض کیا۔

ما قبلہ راست کردم بر طرف کجکلاہے

کی صوفیانہ زندگی کا ایک مشہور واقعہ حسن دہلوی کے تعلّقات ہیں۔ حسن نہایت صاحب جمال تھے اور نان بائی کا پیشہ کرتے تھے۔ ایک روز حضرت امیر خسروؒ حسن کی دُکان کے سامنے سے گزرے۔ آنکھیں چار ہوتے ہی کھڑے ہو کر فرمانے لگے کہ کس حساب سے روٹی بیچتے ہو۔ حسن نے کہا ایک پلڑے میں روٹی رکھتا ہوں اور خریدار سے کہتا ہوں کہ دوسرے پلڑے میں سونا رکھدے۔ سونے کا پلڑا جھک جانے پر روٹی خریدار کے حوالہ کرتا ہوں۔

امیر نے کہا۔ اگر خریدار مفلس ہو۔ حسن نے کہا تو سونے کے بدلے دردو نیاز لے لیتا ہوں۔ اس جواب نے امیر کو اور بھی بے اختیار کر دیا۔ محبوب الٰہی کی خدمتمیں

حاضر ہوئے تو سارا واقعہ عرض کر دیا جن نے گوناگوں نوازی کی تھی مگر خود بھی اُسی تیر کے شکار ہو گئے۔ فوراً دکان بند کر سلطان جی کی خدمت میں حاضر ہو کر حضرت امیر سے آملے۔ سچ ہے:۔

ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد

حضرت خواجہ فرید الدین عطار بھی صوفی کامل تھے۔ آپ عطاری کا پیشہ کرتے تھے والد کے انتقال کے بعد کاروبار میں دوگنی ترقی ہو گئی تھی۔ آپ کی دکان کے سامنے ایک فقیر آکر کھڑا ہو گیا اور دکان کے سازوسامان اور تکلف و آرائش کو غور سے دیر تک دیکھتا رہا۔ خواجہ نے برہم ہو کر کہا۔ یہاں کھڑے ہوئے بے فائدہ کیوں اوقات ضائع کر رہے ہو۔ آگے بڑھو اپنا رستہ لو۔ فقیر بولا۔ بابا تو اپنی فکر کر۔ میں تو یہ چلا۔ یہ کہہ کر فقیر وہیں لیٹ گیا۔ اب جو خواجہ نے اٹھ کر دیکھا تو فقیر ختم ہو چکا تھا۔

اس واقعہ سے دنیا کی بے ثباتی کا ایسا موثر نقشہ خواجہ کی آنکھوں کے سامنے پھر گیا۔ کہ کھڑے کھڑے ساری دکان اٹھا دی۔ اور فقیر ہو گئے۔

میخانہ درد

حضرت خواجہ میر درد دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے کمالات سے سارا ہندوستان واقف ہے اور آپ کی سوانح عمری کے دیکھنے کا آرزومند اور مشتاق ہے آپ کے سچے جانشین حکیم سید خواجہ ناصر نذیر صاحب فراقؔ نے اسے تالیف فرما کر عجائبات سے لبریز کر دیا ہے۔ عمدہ نفیس کاغذ پر عمدہ لکھائی چھپائی کے ساتھ بیس تصویروں کی تعداد میں شائع فرمایا ہے۔ قیمت معہ محصول ڈاک دو روپیہ پانچ آنہ (۲؍۵) اہل شوق جلد ادھر متوجہ ہوں۔

حکیم سید ناصر خلیق نگار۔ دہلی کوچہ چیلان۔ بالا خانہ درگاہ خواجہ میر درد

۷۸۶

اسلامی مہمان نوازی

نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ النبی الکریم وعلٰی آلہٖ واصحابہٖ اجمعین

دیباچہ

دیکھنے میں آ رہا ہے۔ کہ مہمانداری سے لوگ عام طور سے جان چُراتے ہیں۔ ویسے فضول اخراجات میں چاہے ہزاروں کا خرچ ہوجائے۔ مگر ایک مہمان وبال جان ہوجاتا ہے۔ اب اگر مہمانداری کا کچھ پتہ ملتا ہے۔ تو بڑی بڑے لوگوں میں اعزازی حالت سنبھالے رہنے کو اور بس۔ اُنھیں اُس شیوہ اسلامی سے کوئی لگاؤ نہیں ہے جو اسوۂ حسنہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم میں داخل ہے۔ شہری لوگ آداب مہمانداری میں زیادہ تر قاصر ہیں۔ البتہ دیہات میں مہمانداری کا وجود ضرور ملتا ہے۔ مگر وہ بھی ہنود میں زیادہ تر۔ افسوس! اہل اسلام نے اس اُسوۂ حسنۂ نبی کریم کو بتدریج چھوڑنا شروع کر دیا ہے۔ اور میں اپنے تجربہ کی بنیاد پر وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں۔ کہ مسلمانوں میں اس کی بہت کمی ہو چلی ہے۔ ان وجوہ سے متاثر ہو کر میں نے یہ رسالہ ترتیب دیا ہے۔ کہ مسلمان اس کو پڑھیں اور کاربند ہوں۔ ؎

مدِ نظر ہے خاطر مہمان نگاہ میں
آنکھوں کا فرش ہم نے بچھایا ہے راہ میں

میری دعا ہے کہ میزبان حقیقی ہمارے قلوب میں مہمانداری کی گنجائش پیدا کر دے اور ہم اپنے اسلاف کے طریقوں پر چلنے میں کامیاب ہوں۔

اسی کتاب میں مختصر سا حال نیک تعلقات پڑوسی کے ساتھ رکھنے کا بیان کر دیا ہے۔ کہ دونوں مضمون ضروری تھے۔ خدائے تعالٰے ہمارے عزائم میں وسعت اور ہمت بخشے۔ آمین یا رب العالمین۔

محمد خلیل انصاری

متوطن انبہٹہ ضلع سہارنپور
حال
مہتمم بندوبست ریاست اجے گڑھ
(بندیل کھنڈ)

۱۰ / جنوری ۱۹۲۷ء

مہمان و میزبان

مہمان نوازی خود ایک عمدہ عادت ہونے کے سوا بہت سی نیک عادات کا سرچشمہ ہے۔ جیسے خوش خلقی، ایثار نفسی، اہل دلی، خلوص نیتی، ہمدردی، تواضع۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم فرماتے ہیں:۔ خَیْرُکُمْ مَنْ اَطْعَمَ الطَّعَامَ یعنی جو شخص کھانا کھلاوے۔ وہ اچھا آدمی ہے خود حضور سرورِ عالم صلعم ایسے متواضع تھے کہ (آپ کی) اس تواضع میں سبکی نہ ہوتی تھی۔ کَانَ مُتَوَاضِعًا فِیْ غَیْرِ مَذَلَّۃٍ حضور سرورِ عالم صلعم اپنے خادم کے ساتھ کھانا تناول فرماتے تھے۔ کَانَ یَاْکُلُ مَعَ خَادِمِہٖ۔ نظم

روز مہمانوں کے جمگھٹ تھے بچھے خوانوں پہ تھے
میزبانی حکم ہر شب خانہ سامانوں پہ تھے
آجکل کیطرح رکھتے ہاتھ کب کانوں پہ تھے
گھر ہمارے اور ہم سب وقف مہمانوں پہ تھے

یثربی مہمان نوازی دضیافت ہم میں تھی

میہماں اور میزباں میں کر نہ سکتے تھے تمیز
اسقدر اخلاص کی پاکیزہ طینت ہم میں تھی
ہم میں تھا منحوس وہ جو میزباں ہوتا نہ تھا
بے سخاوت کوئی مقبولِ جہاں ہوتا نہ تھا
میہمانوں سے کوئی خالی مکاں ہوتا نہ تھا
کھلا کے نعمت دل ہمارا شادماں ہوتا نہ تھا

ساتھ دسترخوان پر گر میہماں ہوتا نہ تھا

کرتا اگر مہماں کی خاطر سے تکلف کچھ ذرا
میزباں کو روکدیتا تھا وہ مہماں برملا
میہماں قانع تھا اگر تو میزباں مُشرف تھا
کرتے تھے مہماں ہماری ما حضر پر اکتفا

تنگدل مہماں سے کوئی میزباں ہوتا نہ تھا

تھی سلف کی اک علامت ہم میں مہمان پروری
ہم نے پائی تھی سخاوت سے نشانِ سروری
روک سکتی تھی سخاوت سے نہ ہمکو بے زری
ہمکو پہنچی تھی خلیل اللہ سے خوانِ گستری

عُسرت اور تنگی میں بھی تہ اپنا خواں ہوتا نہ تھا

کرتے تھے سختی گوارا اپنے مہماں کے لئے
وقف کرتے تھے گھر اپنا اپنے مہماں کیلئے

تھا یہی شیوہ ہمارا اپنے مہماں کیلئے رکھتے تھے بچوں کو بھوکا اپنے مہماں کیلئے
خرچ سے گھر کے۔ سو کھانا جہاں ہوتا نہ تھا

قوم میں ہوتے تھے جو محتاج یا مفلس و زار جو تونگر تھے وہ اُن کی کرتے تھے حاجت روا
میزباں تھو اپنے مہماں پر بجان و دل فدا تھا مسافر کے لئے ایک ایک گھر مہمانسرا
ہم کو کچھ غربت میں فکر آب و ناں ہوتا نہ تھا

تھے سخاوت کو ہم اک قومی علامت جانتے میہمانداری کو تھے اک بڑھتی دولت جانتے
شکر نعمت کو بھی تھے ہم ایک نعمت جانتے میہمانوں کو تھے اپنے گھر کی برکت جانتے
ٹھہرنا مہمان کا برسوں گراں ہوتا نہ تھا

پہلے زمانہ کے یہ حالات ہیں جبکہ مسلمان اصلی مسلمان کہلائے جانے کے مستحق تھے۔ اب تو وہ رہنے کوئی مہمان نظر آیا بدن پر لرزہ پڑ گیا۔ اتفاق سے بازار یا راہ میں کہیں ایسے شخص سے مڈ بھیڑ ہو گئی جن کو مہمان بنانے کا حق حاصل ہو سکتا تھا السلام و علیکم کے بھی لالے پڑ گئے۔ ادھر اُدھر دیکھ کر کترا گئے۔ گویا انھوں نے دیکھا ہی نہیں۔ یا اگر مقابلہ ہو گیا تو بعد مزاج پرسی یہ کہہ کر ٹال دیا۔ کب آئے ہو؟ کب جاؤ گے؟ چنانچہ ہم نے بستی کے ضلع میں ایک خوش خلق ہر دل عزیز پیشکار کو دیکھا کہ پنشن پاکر ایک ماہ بعد جو وہ ضرورتاً تشریف لائے۔ تو اچھے اچھے لوگوں نے سلام علیکم کے بعد صرف یہی مہمانداری کی۔ کہ کیسے آنا ہوا؟ کب واپسی ہو گی؟ کسی کو یہ کہتے نہ سنا کہ آج نانِ جویں حاضر ہے۔ بات یہ ہے کہ کنجوس لوگ ہمیشہ مہمانوں سے جان چُراتے ہیں۔ افسوس! مذہب اسلام نے مہمان نوازی کی صفت کو خاص اہمیت دیکر ہر مسلمان کے لئے ضروری قرار دیا تھا لیکن اب جہاں اور ارکان مذہب کی طرف سے لاپرواہی اختیار کر لی گئی ہے۔ وہاں اسکی بھی کچھ پرواہ نہیں کی جاتی۔ قصہ کہانیوں کے ذریعہ سے یا تواریخ سے جب پرانے حالات تواضع و مدارات کے ہماری نظر سے گزرتے ہیں۔ تو ہمیں اپنی حالت پر نہایت افسوس آتا ہے۔ اور ہم کچھ نہیں سوچتے کہ:-

شکر بجا آر کہ مہمانِ تو روزیِ خود می خورد از خوانِ تو

صحیح ہے۔ ہم اُنھیں کی اولاد۔ اُن کے پیرو اور نام لیوا ہیں۔ جن کے ہاں اگر غریب سے غریب مہمان آجاتا تھا تو اُس کو اپنے لئے باعثِ عزت سمجھتے تھے۔ اور اپنا جان اور مال سب اُسکے لئے وقف کر دیتے تھے۔ اور اپنے ہم چشموں میں اس بات کا فخر کرتے تھے۔ کہ آج وہ کسی مہمان کے میزبان ہیں۔ اُن کو اس کی پرواہ نہیں ہوتی تھی۔ کہ وہ رشتہ دار ہے یا غیر ہے۔ اجنبی ہے یا جان پہچان۔ وہ اپنی ہر طرز سے اپنے مہمان کی آمد کی خوشی ظاہر کرتے تھے۔ اُن کی واقفیت۔ اُن کا سب سے بڑا التعارف یہی تھا کہ اُنھوں نے اُس کو مہمان بنا لیا۔

اب یہ حال ہے کہ کوئی ایسا ہی بڑا شخص آگیا۔ خواہ رشتہ دار ہو یا دوست آشنا اُس کی مہمانی تو بادل ناخواستہ ایک دو وقت کو فیشن اور نام آوری کی غرض سے جھیل لی جاتی ہے۔ باقی کم درجہ کا کوئی اپنا عزیز ہو یا پرایا۔ اُس کا تو پانی پلانا بھی گناہ ہے۔ وہ اگلی شان مہمانی اب کہاں۔ اُن کی ساری مدارات صاف نیتی پر مبنی ہوتی تھی۔ یہاں بات بات پر تکلف۔ اُن کی سادہ مہمان نوازی مہینوں تک قائم رہتی تھی۔ یہاں تین دن میں بار ہو جاتی ہے۔ اس کو اصلی معنوں میں اسلامی مہمان نوازی نہیں کہہ سکتے۔

میں نے تو اپنی مدت العمر میں تین شخص مہمان نواز دیکھے ہیں۔ ایک شیخ فضل حق مرحوم پنشنر پیشکار ساکن گنگوہ ضلع سہارن پور مقیم آگرہ۔ جن کی یہ حالت دیکھی۔ کہ کمبخت دن ہوگا۔ جو کوئی مہمان اُن کے ہاں نہ ہوتا ہو۔ جب یہ حالت تھی تو سادہ مہمان نوازی سے کام لیا جاتا تھا۔ یہی انہماک اُن کے صاحبزادہ منشی ضیاء الحق مرحوم میں پایا گیا۔ دوسرے ایک صاحب منشی نواب حسن مرحوم ساکن مارہرہ ضلع ایٹہ کو دیکھا جن کا تفصیلی قصہ آگے چل کر بیان ہوگا۔ تیسرے اپنے عزیز ڈاکٹر محمد نعیم انصاری کو دیکھا جن کے پاس مجھے زائد از ۸ ماہ لکھنؤ میں ٹھہرنے کی ضرورت پیش آئی۔ مجھے مشکل سے کوئی دن ایسا ملا ہوگا۔ کہ اپنا پرایا کوئی نہ کوئی مہمان نہ ہوتا ہو۔ پھر حدِ مہمانی سے گزر کر ہفتوں مہینوں کا قیام۔ کیا ممکن کہ ذرا ناگوار خاطر گزرے۔ احقر ہمیشہ موجود۔ یہ کام آسان نہیں ہے۔ گو پرانی قسم کے لوگ بعض اب بھی اس کو ایک فرض ادا کرنے کی طرح انجام دیتے ہیں۔ کھانا کھلا دیتے ہیں۔ رات کے سونے کے لئے اگر مکان فراخ ہو تو جگہ بھی دے دیتے ہیں۔

لیکن ایک کھانا کھلا دینے یا گھر کے کسی گوشہ میں جگہ دینے سے مہمان نواز نہیں بن سکتے شہر کے لوگ تو مہمان کو اب بھی بلائے بے درماں خیال کرتے ہیں۔ ہمارا یا تو پرایا اپنے عزیز دوستوں سے آنکھ چُراتے ہیں۔ ہاں ابھی تک دیہات کے لوگ مہمان نوازی کو ہر جگہ اچھی چیز سمجھ کر ایک حد تک اجنبی مہمان کی مدارات سے دریغ نہیں کرتے۔ اس کے متعلق ہم نے ایک واقعہ آگے چل کر ایک ہندو راجپوت کو ایک اہل اسلام کے مہمان ہونے کی بابت لکھا ہے۔

مہمان نوازی کی رسم شرعی کو پورب کے اضلاع میں کمی کے ساتھ پورا کیا جاتا ہے لیکن ہندو تو مسلمانوں سے بڑھتے نظر آتے ہیں کہ وہ اس شعار اسلام کو اختیار کئے ہوئے ہیں لیکن کمشنری گورکھپور میں مہمان نوازی کا دستور مجھے کم پایا گیا۔ اُس طرف خود غرضی کا دخل ضرورت سے زیادہ ہے۔ میں غیبت سے نہیں بلکہ واقعات کے لحاظ سے ایک مثال دیگر اُن اضلاع کے مسلمانوں کی حالت پر تبصرہ کرتا ہوں۔

سنہ ۱۹۰۶ء میں راقم الحروف ضلع مین پوری میں ملازم تھا۔ اور ایک معزز گورکھپوری بزرگ کو صاحب کلکٹر مین پوری سے ضرورت ملاقات کی پیش آئی۔ تو مجھے اس مضمون سے خط لکھا کہ "ممدوح معہ دو معزز احباب کے مین پوری صاحب کلکٹر سے ملنے کو آنا چاہتے ہیں۔ لیکن وہاں کوئی واقف کار دوست نہیں ہے۔ جس کے مہمان ہو سکیں۔ آپ سے صرف معمولی سی ملاقات ہے۔ کیا آپ مجھ کو ایک روز کو مہمان کر سکتے ہیں؟ بھلا یہ کیسے ممکن تھا کہ جواب نفی میں دیا جاتا۔ لکھدیا کہ شوق سے تشریف لائیے۔

کرم نما و فرود آ کہ خانہ خانۂ تست

غرضکہ تاریخ اور وقت مقرر ہوا۔ راقم الحروف سواری لے کر استقبال کو ریل پر حاضر ہوا۔ ناشتہ کا انتظام بھی اگر یاد غلطی نہیں کرتی۔ موجود کیا گیا۔ ایک مکان خالی کرا کر ضروریات رئیسانہ سے آراستہ کرا دیا گیا۔ مگر چونکہ بنگلہ صاحب کلکٹر شہر سے تین میل پر تھا۔ آپ کے ہمراہیان سے ایک قاضی صاحب رئیس دوسرے ایک بابو صاحب رئیس گورکھپور نے قیام ڈاک بنگلہ بوجہ قربت پسند کیا۔ خیر! اس فاصلہ

شہر اور ڈاک بنگلہ سے انتظام طعام ہوتا رہا۔ اور ایک روز بہ سواری جوڑی شہر میں لاکر عزت مہمان داری حاصل کی۔ رخصت کے وقت بہ اعزاز تمام ریل پر پہنچایا گیا۔ ناشتہ ہمراہ کیا گیا۔ چلتے وقت تینوں صاحب کے نام نوٹ بک میں احتیاطاً لکھ لئے۔ کسی طرح گمان نہیں تھا کہ زندگی میں ان حضرات سے ملاقات ہوگی۔ مگر انتظام ربی ۱۹۱۵ء میں راقم الحروف بحیثیت انسپکٹر بٹوارہ کمشنری گورکھپور تبدیل ہوکر آیا۔ تو اپنے ایک عزیز پیشکار بندوبست کے ہاں مہمان ہوا۔ اگلے دن اُن بزرگ صاحب سے ملنے گیا۔ امتداد زمانہ سے فریقین کے حلیے تبدیل ہو چکے تھے۔ میں نے تو بزرگ صاحب کو پہچان لیا۔ چند اصحاب سے فارغ ہوکر مجھ سے سوال کیا کہ۔ آپ کہئے کیسے آئے۔ میں نے عرض کیا کہ آپ سے ملنے آیا ہوں۔ پتہ دینے سے پہچان ضرور لیا وجہ آمد پوچھی تو بیان کی گئی۔ قسم ہے اُس خدائے پاک کی جسکے قبضہ میں مؤلف کی جان ہے۔ پان حقّہ کی بھی معمولی تواضع نہیں ہوئی۔ ایک وقت مہمان بنانا یا قیام کو اصرار کرنا تو کارے دارد تھا۔ خیر با دلِ ناخواستہ وہاں سے چلنا چاہا تو پوچھا کہ آپ کے اُن ہمراہیاں معززین سے جو کوئی صاحب ساتھ تھے۔ کہیں وہ قریب رہتے ہیں۔ تو بلا دیجئے۔ ایک ملازم ساتھ کرکے راستہ بتا دیا۔

مختصر یہ کہ دونوں ہمراہیاں معزز سے ملا۔ یہی حالت ہر جگہ پیش آئی۔ صرف اس قدر اضافہ ہوا کہ دونوں جگہ "برگ سبز است تحفۂ درویش" کا حساب کتاب رہا۔ اور بس۔ چھ ماہ تک مسلسل گورکھپور خاص قیام رہا کیا ممکن کہ باوجود صدہا مرتبہ ملاقات ہونے کے تینوں[1] صاحبان مذکور الصدر سے کسی نے ایک دن بھی مدعو کرنے کی یا کسی تقریب میں بلانے کی ہمت فرمائی ہو۔

قیاس کن زگلستانِ من بہارِ مرا

راقم الحروف بہ سلسلہ ملازمت اعظم گڑھ سے بستی آیا۔ اور تین سال سے زیادہ تک قیام کیا۔ یہاں بفضلہ تعالیٰ عہدہ داران اہل اسلام کی معقول تعداد کلکٹری

---

[1] اسماء مبارک کا اعادہ غیر ضروری خیال کیا گیا۔۱۲

اور دیوانی میں دیکھی۔ اسلامی حیثیت سے تو عمالِ دیوانی جدا نہ تھے۔ مگر خصوصیت کلکٹری والوں سے تھی۔ اور بھی درجنوں ماتحت اہلِ اسلام موجود پائے۔ مگر کیا مجال جو بجز دو تین ماتحتوں کے کہ بعض تقاریب پر ایک آدھ مرتبہ مدعو ہونے کا موقعہ ملا۔ کسی معزز مسلمان عہدہ دار نے ایک وقت[۱] بھی مہمان بنانے کی جرأت کی ہو۔ ان اضلاع کی یہی حالت عام طور سے پائی جاتی ہے۔ ہاں کوئی دنیاوی ضرورت ہو تو مدارات کی حد نہیں رہتی اور جب غرض و ضرورت ختم ہو چکتی ہے تو سلام کلام بھی ندارد۔ ضرور چند مستثنیات ایسے بھی تلاش سے مل سکتے ہیں جن سے اب تک کچھ کچھ نشان اسلامی کا پتہ مل سکتا ہے۔ مگر بڑی تعداد اُن کی ہے جو مہمانوں کو یکایک آسمان سے نازل ہونے والی بلا سے کم نہیں سمجھتے افسوس ہم اپنے مہمانوں سے اس قدر تنگ دل ہوں اور مہمان نوازی جیسی عمدہ صفت سے بے بہرہ ہو کر اپنے آپ کو بہت سی عمدہ خصائل اور فضائل سے محروم رکھیں۔ نئے زمانے کے حد سے بڑھے ہوئے تکلف نے بھی مہمان نوازی کو تکلیف دہ بنا دیا ہے امیر لوگ اخراجات برداشت کرتے ہیں۔ لیکن کم استطاعت لوگ اکثر مجبور رہتے ہیں۔ اس سے مناسب ہے کہ امیری غریبی کا اس میں دخل ہی نہ ہونا چاہئے۔ اپنی اپنی حیثیت کے مطابق ہر ایک مدارات کرے۔ میزبان کو چاہئے کہ مہمان کی حیثیت کا خیال نہ کرے۔ بلکہ ہر ایک مہمان کے لئے امیر ہو یا غریب اپنی وسعت کا لحاظ رکھنا لازمی ہے۔ اخلاق عُمدہ ہوں، طرزِ مہمان نوازی، سادگی اور صفائی دلی کے ساتھ اچھا ہو تو مہمان کو بھی کسی قسم کے خیال کرنے کا موقعہ نہ ملے۔ اور جب تک رہے۔ بے فکری اور اطمینان کے ساتھ رہے۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم فرماتے ہیں "لَا تَكُونُ زَاهِدًا حَتَّى تَكُونَ مُتَوَاضِعًا" یعنی تو جب تک متواضع نہ ہو جائے۔ زاہد نہیں بن سکتا اور ارشادِ نبوی ﷺ ہے "لَا تَكَلَّفُوا لِلضَّيْفِ" مہمان کے لئے تکلف مت کرو۔

---

[۱] انتہا یہ کہ یکم مارچ ۱۹۲۳ء کو کمشنری لکھنؤ کا تبادلہ ہو گیا تو بجز ایک صاحب کے کسی ماتحت کسی دوست کو یہ توفیق نہ ہوئی کہ جدائی کے سلسلہ میں ایک وقت بھی ہمتِ دعوت کی ہو۔ ۱۲

۷۸۶

کرشن جنم ساکھی

دیباچہ

عرصہ سے ہندو مسلمانوں میں روز بروز کشمکش بڑھتی جا رہی ہے - اور دونوں فریق اپنے اپنے نفرت انگیز خیالات سے کام لیکر ایک دوسرے کے بزرگوں کی توہین پر بے دھڑک قلم اُٹھانے لگے ہیں - لیکن منافرت کا عنصر ہندو اہل قلم میں زیادہ ہے - یہ بات میرے دل میں نشتر کا کام دے رہی تھی - اور میرا مسلک صلح کل با مسلماں اللہ اللہ با برہمن رام رام ہے جسکو میں دل سے پسند کرتا ہوں اس لئے میں نے ارادہ کیا - اور خدا نے اُسے پورا کیا - کہ میں کرشن مہاراج کی سوانح عمری لکھوں - اور ایسی لکھوں کہ جو اتحادی اصول پر ہو مہاراج کرشن جو ایک مقدس ہستی گزرے ہیں - بتاؤں کہ اُن کے خیالات بحوالہ کتب معتبرہ - مسلمانوں کے پیغمبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی بابت کیا تھے اور اُنھیں اصول پر بتاؤں کہ ہم کو ہندو بزرگوں کی عظمت کس درجہ ضروری ہے کیونکہ یہ اہل قلم کا فرض ہے - کہ مختلف مذاہب کی کتابوں کا مطالعہ کرکے اس قسم کا مذہبی اور اخلاقی لٹریچر شائع کریں - جو مختلف فرقوں میں اتحاد پیدا کرنیوالا ثابت ہو - آؤ دل کر پچے دل سے یوں کہیں اور زبانی جمع خرچ سے کام نہ لیں بلکہ بہلا سا سلوک اور اتحاد پیدا کرکے دُنیا کو دکھا دیں -

ہم ہندیوں میں یکدل ہو اتحاد باہم — سب ہوں شریکِ شادی سب ہوں شریکِ ماتم
ہرگز نہ ہو جدائی کوشش رہے یہ پیہم — اکدل ہوں اس طرح ہم حیراں ہو ایک عالم
درد ایک کے اگر ہو تو دوسرا بٹا لے

بھائی ہیں اپنے دونوں ہندو ہوں یا مسلماں — عزت کی شئے ہیں دونوں وہ وید ہو کہ قرآں
خالق کے نام دونوں وہ رام ہو کہ رحماں — زنار ہی کا رشتہ تسبیح میں ہے پنہاں
پہلو میں مسجدوں کے ہیں ہند میں شوالے

اے میری پیاری گنگا میں خیر ہوں مناتا — پربت کی پیاری دیوی تیرے ہی گن ہوں گاتا
مانا کہ تو ازل سے ہے ہندوؤں کی ماتا — اپنا بھی رہتے سہتے تجھ سے ہوا ہے ناطا
ہم کو بھی آج مائی بڑھ کر گلے لگا لے

خدا سے مناجات

ہے ایشور تو داتا سب کا — بیشک تجھ سے ناطا سب کا
کل سنسار میں ست ہے تجھ سے — ہر پرکاش جگت ہے تجھ سے
سبزے میں ہریالی تو ہے — باغ کی ڈالی ڈالی تو ہے
تو دنیا کا دنیا تیری — جگت سبھا میں شوبھا تیری
چھاؤں میں تو ہے دھوپ میں تو ہے — ہاں پرگھٹ ہر روپ میں تو ہے
ٹوٹے دل کو آس ہے تیری — کلی کلی میں باس ہے تیری
بھونروں کی جھنکاروں میں تو ہے — پھولوں کی مہکاروں میں تو ہے
بستی تیری جنگل تجھ سے — جنگل میں ہے منگل تجھ سے
گیان میں تو وگیان میں تو ہے — ہر گیانی کے دھیان میں تو ہے
رشی منی سب تیرے سیوک — راجہ پرجا کا تو رکھشک
سری کرشن اوتار ہے تیرا — رام کے من میں پیار ہے تیرا
نانک کے اپدیش میں تو ہے — نارائن کے ہر ویش میں تو ہے

سارے نبیؐ اور سارے پیمبر تو ہی سبکا ایک ہے رہبر
اپنے نبیؐ کا تجھ سے ناطا
مجھ سے بھکاری کا تو داتا

سبکا خالق ایک ہے اور سبکا مالک ایک ہے

سبکا خالق ایک ہے اور سبکا مالک ایک ہے شالہ، مسجد، مندروں میں سبکا سالک ایک ہے
آیتیں قرآن کی اور وید منتروں کہیں چشم حق بیں کیلئے تسبیح و مالا ایک ہے
اہلِ ظاہر گو بُرا مانیں مری اس بات کو اہلِ دل کیواسطے ہندو و مسلم ایک ہے
جھگڑے پھر ہرگز نہوں باہم رحیم و رام کو جبکہ قدرت ایک ہے اور اُس کا قادر ایک ہے
چھوڑدو اے دوستو! بالکل تعصب چھوڑدو ہموطن ہیں اس لئے ہندو مسلم ایک ہے
پھر سے باغِ دیس میں بادِ بہاری کا ہو دَور بلبلیں ہر ہر شجر پر گائیں گلشن ایک ہے

ذرا تم قدرت کا مساوی سلوک بھی تو دیکھو

اُوم - اللہ - گاڈ - پرمیشور وغیرہ جس نام سے اُسے یاد کرو سب کی مُراد وُہی ذات واحد ہے - اُس نے سورج بنایا - چمن و گلزار میں - دشت پُرخار میں - عالی شان محلوں میں - ٹوٹے پھوٹے جھونپڑوں میں سورج کی دھوپ یکساں اور برابر ہی کا حصہ تقسیم کرتی ہے - امیر و غریب - ادنیٰ و اعلیٰ کا فرق نہیں رکھتی - ہوا بھی اُسی نے پھیلائی - ہر جاندار کی سلامتی کا انحصار اِسی ہوا پر ہے - کسی امیر - کسی دولت مند اور کسی ظالم کی طاقت نہیں کہ قدرت کے عطیہ کی تقسیم میں روڑا اٹکا سکے - یا امیر کو زیادہ اور غریب کو کم دینے کی کوشش کر سکے - پانی جس سے سارے جہان کی زندگی ہے - اُس کے فیض عام کی کھُلی نشانی ہے - دریا بہتے ہیں - چشمے اُبلتے ہیں سمندر موجیں مارتا ہے - بارش ہوتی ہے - ہر چھوٹے بڑے گورے کالے امیر غریب کو برابر حق دیتا ہے - آگ کو ایک قوم یا ایک مُلک کے واسطے مخصوص نہ کیا جو

اُس کی مدد چاہتی ہے۔ بلا امتیاز خدمت کو تیار ہو جاتی ہے۔ کبھی نہیں دیکھا کہ بادشاہ کا بچہ تاج اوڑھ کر اور شاہی لباس پہنکر پیدا ہوا ہو۔ ادنےٰ ترین آدمیوں کے بچوں کی طرح وہ بھی ننگا پیدا ہوتا ہے۔ مرنے کے بعد بھی جہاں لاش رکھی جاتی ہے امیر و غریب کا درجہ ایک ہوتا ہے۔

غرضکہ تمام کائنات میں قدرت کا سلوک سب کے ساتھ ہندو ہو یا مسلمان مساوات کا ہے۔ پھر یہ آئے دن تکرار اور جھگڑے کیوں ہو رہے ہیں؂

پھوٹ پڑتی نہ اگر شیخ و برہمن میں یہاں
تو نہ ہندو کوئی ہوتا نہ مسلماں ہوتا

دوستو! تم اپنا پہلا اتحاد کیوں بھولے جاتے ہو۔ اور باہمی عناد سے اپنی اور اپنے ملک کی جڑیں کیوں کھوکھلی کرنا چاہتے ہو۔ تمھارے اتحاد کے واسطے یہ ذیل کی نظم اگر سمجھو تو تریاق کا کام دے سکتی ہے۔ عزیزؔ لکھنوی لکھتے ہیں:۔

صوتِ ناقوسِ کلیسا ہو کہ آوازِ اذاں — شعلے ہوں آتشکدہ کے یا صلیبوں کا نشاں
مختلف عنوان سے کہتے ہیں اُسکی داستاں — رازِ اصلی جان لیں یہ نکتوں کو راز داں

نور پیدا ہو رہے ہیں ایک ہی تنویر سے
اتنی تصویریں کھنچی ہیں ایک ہی تصویر سے

آسنے چاروں طرف لیکن مقابل ایک ہے — راستے ہر سمت لیکن حدِ منزل ایک ہے
محفلیں کثرت سے لیکن بزمِ محفل ایک ہے — گرمیٔ ہنگامہ افروزی کا حاصل ایک ہے

اک تجلی ہے فقط کثرت میں وحدت آفریں
ہر طرف ہی جلوہ گر وہ شاہدِ تنہا نشیں

ایک دریا جس کے ہر قطرہ میں طوفاں کا ظہور — ایک صحرا جس کے ہر ذرّہ سے طلعت کا وفور
ایک رُخ ہر جلوہ جس کا رونقِ صد برقِ طور — ایک سورج جسکی کرنیں منبعِ سیلابِ نور

ایک منعم جس کے آگے سرنگوں شاہ و فقیر
ایک مرجع جسکی جانب پھر رہی ہے ہر ضمیر

مدعا ہو ایک۔ لیکن سب کا افسانہ جدا ایک ہی ساقی ہو۔ لیکن سب کا میخانہ جدا
ایک ہی بادہ ہو۔ لیکن سب کا پیمانہ جدا اپنے اپنے رنگ میں ہر ایک دیوانہ جدا

کوئے عشق است آنکہ در ہر گام صد عاقل گم است
تا قیامت جاں فراموش است وانیجا دل گم است

وہم باطل ہو۔ نہ عقلِ تفرقہ پرداز ہو ملتیں مٹ جائیں دل سرمایۂ صد ناز ہو
سازِ نیرنگِ جہاں کاش ایسا ساز ہو مختلف پردہ ہوں لیکن ایک ہی آواز ہو

پھر وہی صبحِ الست آئینہ دکھلائے ہمیں
دل جہاں اٹھیں وہی صورت نظر آئے ہمیں

آستانِ غیر پر فکرِ جبیں سائی نہ کر دیکھ ہر شے میں اُسے۔ برباد بینائی نہ کر
خاک کے ناچیز پتلے کار فرمائی نہ کر کام لے دل سے۔ زیادہ عقل آرائی نہ کر

در چراغِ حکمت از مغزِ خود روغن مکن
جز بہ نورِ عشق۔ راہِ معرفت روشن مکن

مدعا مذہب کا ہے اُس خالقِ یکتا کی یاد مذہبی تعلیم سکھلاتی نہیں ہم کو فساد
قومیت کا بیخکن ہے باہمی بغض و عناد اتحاد۔ اَلْاِتّحاد۔ اَلْاِتّحاد۔ اَلْاِتّحاد

زندگی کے دن گزارو صلح جو تدبیر سے
اور سبق لو اپنے قصرِ جسم کی تعمیر سے

اتحادِ باہمی دیتا ہے ہم کو یہ پیام چار دیوارِ عناصر سے ہی قائم یہ نظام
ہو گئے اضداد باہم جب ہوا یہ انتظام قصرِ تن کی یہ عمارت ورنہ رہتی ناتمام

چاہئے ہے ہمکو اپنے نیک و بد میں کچھ تمیز
دور کیوں جائیں سبق لیں اپنی ہستی سے عزیز

کسی غیر مسلم بزرگ کی سوانح حیات کا میرے قلم سے لکھا جانا کوئی شرعی جُرم نہیں ہے۔ بے شمار صلح کل طبقہ مسلمانوں کا میرے اس خیال سے ہم خیال ہوگا۔ اور جس محنت سے میں نے ان جواہر ریزوں کو ایک

جگہ منسلک کردیا ہے۔ اُن کی حمائل اور تعویذ دونوں فریق اپنے اپنے گلے میں ڈالنا پسند کریں گے۔ اگر ایسا ہوا۔ تو میں سمجھ لوں گا کہ میری محنت ٹھکانے لگی۔ ورنہ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں ؎

حافظا وظیفۂ تو دُعا گفتن است و بس
دربندِ آں مباش کہ نشنید یا شنید

محمد خلیل انصاری

متوطن انبہٹہ ضلع سہارنپور
مہتمم بندوبست ریاست الگڑھ
(بندیل کھنڈ)

۳۰ اپریل ۱۹۲۷ء

جناب کرشن

سیکڑوں عاشق ہیں دل آرام سبکا ایک ہے مذہب و ملت جدا ہیں کام سبکا ایک ہے
سب خدا کی ذات میں ہیں نام سبکا ایک ہے ابتدا ہے مختلف انجام سبکا ایک ہے

यदा यदाहि धर्मस्य ग्लानि-
र्भवति भारत अभ्युत्थानम
धर्मस्य तदात्मानं सृजाम्य
हम

یدا یدا ہی دھرمسیہ گلانر بھوتی بھارت آبھیوتھانم دھرمسیہ تدات مانم سری جامیہم - ترجمہ جب جب خاصکر دھرم کی کمی ہوتی ہے - اُس وقت میں پاپ کو اُٹھا دیتا ہوں اور اُس وقت دھرم کی ترقی کرتا ہوں -

واضح ہو کہ تخمیناً ۵ ہزار برس گزرے جو ویدکا مقدس کلام جسے کلمۂ معرفت کہئے تو بیجا نہیں - مہاراج کرشن کی زبان پر جاری ہوا - جو الہام کے اقسام سے تھا - (خواجہ کمال الدین وکیل پنجاب مہاراج کرشن کو یہ لکھتے ہیں کہ وہ خدا تعالےٰ سے منصب نبوت پاکر ملک ہند میں مبعوث ہوئے تھے) اس کلمۂ معرفت کا ترجمہ علامہ فیضی نے یوں کیا ہے ؎

چو بنیاد دیں سست گردد بسے نمائیم خود را بشکل کسے

جب یہ کلیجاری تھا۔ اس وقت زمین پر طرح طرح کی خرابیاں اور شیطانی کاموں کا ظہور تھا۔ خدا کا علم اور پرماتما کا گیان تو مشکل کام تھا۔ معمولی پوجا پاٹھ سے بھی بیان کے برہمن اور پنڈت عاری ہو چکے تھے۔ راجہ سے لیکر پرجا تک طرح طرح کی ناپاکیوں اور بداخلاقیوں میں مبتلا تھے۔ فسق و فجور کا ایک دریا تھا جو بھارت کے اندر چاروں طرف موجیں مار رہا تھا ایسی حالت میں غیرت الٰہی جوش میں آئی۔ چونکہ اپنے ارشاد کا مظہر وہ ایسی صورت میں کسی اپنے برگزیدہ بندہ کو بنایا کرتا ہے۔ کہ وہ عالم میں جلوہ گر ہو کر تمام ظلمات اور خرابیوں کو دور کر دیتا ہے۔ درجنوں مثالیں ملیں گی۔ جہاں کہیں مخلوق کی بدحرکات ترقی پذیر ہوئیں۔ وہیں ایک رسول نبی بھیجدیا گیا۔ کہ ہدایت کرے۔ مہاراج کرشن کی ولادت سے قبل کا زمانہ بھی اس بات کا گواہ تھا۔ کہ خدا کی طرف سے کوئی برگزیدہ بندہ ہادی بن کر آوے۔ چنانچہ منشاء قدرت نے راجہ کنس کی ہمشیرہ کے بیٹے کو اس کا ہادی قرار دیا۔ جس نے ہندوستان سے ایک خطرناک کل جگ کو ہٹا کر ملک میں کئی آنے والی صدیوں تک ست جگ کی بنیاد قائم کر دی۔ کرشن جی اپنے مالک حقیقی کی زبان میں گذشتہ الفاظ میں بتاتے ہیں۔ کہ جب کبھی دُنیا میں لامذہبی پھیل جاتی ہے اور پرتھوی سے دھرم اُٹھ جاتا ہے۔ اُس وقت خدائے پاک کسی انسان کی صورت میں جلوہ گر ہو کر دُنیا کو گناہ سے پاک کر دیتا ہے۔

چنانچہ سری کرشن مہاراج اس ارشاد کا مظہر بنائے گئے۔ گیتا کے معارف سری کرشن جی کی یادگار ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ کرشن جی کا فلسفۂ ویدانت روحانیت کی بلند منزل ہے۔ گو دوسرے مذاہب کے نزدیک اس تعلیم سے عبدیت اور عبودیت کا رشتہ اس قدر مستحکم نہ ہو سکتا ہو جسقدر کہ مخلوق خدا کو ضرورت ہے۔ لیکن اہل ہنود کا بڑا حصہ سری کرشن جی مہاراج کو رہبر اعظم مانتے ہوئے ہے چنانچہ بحوالہ کتاب رہنمایان ہند مترجمہ سوامی دیپکا نند نواب ملک صاحب

(۲۰) اس کی تشریح آگے چلکر ملیگی جہاں مسلمانوں کو اوتار کا ذکر کیا گیا ہو۔

عجیب الطرفین یورپ پرستی کا نتیجہ۔ مشن کی تعلیم کی خرابیاں۔ ماں باپ کے اخلاق کا اثر اولاد پر۔ آزادی کے نقصانات۔ بے پردگی کے نتائج ایک آزاد پرست عورت کا ایک بیرسٹر کے دام تزویر میں پھنسکر شادی کی اُمید پر اپنی عصمت کو قربان کر دینا فطرت انسانی کی کمزوریوں کا مطالعہ۔ نہایت دلچسپ اور سبق آموز کتاب ہے ضرور پڑھئے ۴ر

سیر خرابات ظرافت کے مخصوص انداز میں دہلی کی عیاشی اور آوارگی کے خفیہ راز۔ ایک شریف انسان کی تباہی دوست احباب کی ستم ظریفیاں۔ سود خوار مہاجنوں کی دست درازیاں ایک طوائف کی عیاریاں۔ فریب حسن کے کرشمے۔ عصمت فروشی اور محبت کا پردہ زمانہ کے نشیب و فراز راہ راست اور توبہ کی تسکین قسمت کا زبردست انقلاب قیمت ۱۲ر

عبرتکدہ یا آٹھ اخلاقی افسانوں کا مجموعہ معاشرت کی کمزوریاں۔ مراسم پرستی کے نقصانات مذہب فراموشی کے نتائج اتنے دلچسپ انداز سے قلمبند کئے گئے ہیں کہ ہر شخص متفق ہے کہ ان سے بہتر ان سے اچھے ان جیسے دلچسپ اور سبق آموز افسانے آجتک نہیں لکھے گئے قیمت ۸ر

رقاصہ ایک رئیس کا ایک رہبر راہ حقیقت کی جستجو میں ایک گندم نما جو فروش پیر سے بیعت ہونا اپنی نوعمر اور حسین لڑکی کو بھی بیعت کرانا۔ پیر صاحب کا لڑکی کے باپ کو زہر دیکر لڑکی کی جائداد پر قبضہ کرکے لڑکی سے جبراً نکاح۔ جوش انتقام میں لڑکی کی عصمت دری اس کے بعد لڑکی کا اپنی جائداد پر قبضہ اور ایک شریف سے نکاح کرنا۔ قیمت ۸ر

اجرت اشتہارات

تعداد طبع	ایک صفحہ	نصف صفحہ	۴/۱ صفحہ
بارہ مرتبہ	عـ۱۵ر	عـ۱۲ر	ملے
چھ مرتبہ	عـ۱۳ر	ملے	صہ
تین مرتبہ	معہ	صہ	سے ر
ایک مرتبہ	۶ر	عہ	عہ ر

فحش اور شرمناک اشتہارات شائع نہ ہونگے۔ اجرت اشتہارات ہر حال میں پیشگی آنی چاہئے ترسیل زر

بنام منشی قربان علی بسمل۔ شاہجہانی پریس دہلی ہونی چاہئے

ضمیمہ

اردوئے معلی جلد ۲ نمبر ۳ ماہ مارچ سنہ ۱۹۲۸ء

سب سے پہلے پڑھنے کی بات

موجودہ نمبر سنہ ۲۸ء کے چندہ کا آخری نمبر ہے۔ خریداران اردوئے معلی سنہ ۲۸ء کا چندہ اگر منی آرڈر کے ذریعہ روانہ کردیں تو ہم بڑے شکر گزار ہوں گے۔ اس میں آپکا بھی دو آنے کا فائدہ ہے۔ منی آرڈر بھیجنے سے آپ کے دو آنے محصول میں خرچ ہوں گے۔ اور وی۔ پی میں چار آنے۔ منی آرڈر کی روانگی میں دونوں کا فائدہ ہے۔ ہمکو یہ فائدہ پہنچیگا کہ وی پی کے فارم علیحدہ علیحدہ اور ہر پیکٹ پر وی۔ پی کے پتہ لکھنے سے نجات مل جائے گی۔ ۱۰ر جولائی سنہ ۲۸ء تک منی آرڈروں کا انتظار کیا جائے گا۔ ۲۰ر مئی سے بادل ناخواستہ وی۔ پی کی روانگی شروع ہوجائے گی۔

اگر آپ کو آئندہ خریداری منظور نہ ہو تو خدا کے واسطے ایک کارڈ لکھ کر اطلاع دیدیں۔ ہم خوش ہمارا خدا خوش۔ بصورت دیگر اگر آپ نے وی۔ پی واپس کئے تو یوں سمجھئے کہ جان بوجھکر ہمارا نقصان کیا۔ بہرحال ہم تو پھر بھی بقول حضرت مولوی عبدالسلام صاحب یہی دعا دیں گے کہ ع۔ خدا آپکو خوش رکھے۔

جنوری سنہ ۲۸ء سے اردوئے معلی میں دو مستقل کتابیں ایک اسلامی مہمان نوازی۔ دوسری کرشن جنم ساکھی۔ باقساط طبع ہورہی ہیں۔ اور غالباً آخر دسمبر سنہ ۲۸ء تک دونوں کتابیں ختم ہوجائیں گی۔ خریداران اردوئے معلی دونوں کتابیں رسالوں میں سے علیحدہ نکال کر مکمل کر سکتے ہیں۔ جو بجائے خود

کم سے کم ایک روپیہ قیمت کی ہوں گی - اور ایک سال تک اردوئے معلیٰ کے دیگر مضامین بلا قیمت نظر سے گزریں گے -

---

مسلمانوں کا ناقابل تلافی نقصان

افسوس کہ ۳۱ مارچ کی درمیانی رات یعنی جمعرات کو ۲ بجے جناب خان بہادر پیرزادہ محمد حسین صاحب سی - آئی - ای پنشنر سشن جج کا بیتے ڈیڑھ مہینے کی علالت کے بعد انتقال ہوگیا - اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط

مرحوم کا مولد قصبہ ضلع رہتک تھا اور جتنی عزت گورنمنٹ کے نظروں میں مرحوم کی تھی اُس سے کہیں زیادہ پبلک کے محبوب اور ہمدرد تھے - پانسو روپیہ سوا پانسو روپیہ پنشن پا رہے تھے - اور اپنی آخری زندگی طبیہ کالج کی فلاح و بہبود کے لئے وقف کردی تھی - ایک ریاست سے پندرہ سو روپیہ ماہوار پر طلبی ہوئی - مگر غیور مرحوم نے طبیہ کالج کے مقابلہ میں ملازمت سے انکار کردیا -

مگر ہمیں سخت افسوس اور تعجب ہوا جب ہم نے دیکھا کہ مرحوم کے جنازے میں اس قدر خلقت شریک نہیں ہوئی جتنی کہ ایک بزرگ شخصیت کے ساتھ ہونی چاہئے تھی

۳۱ مارچ کو بذریعہ پوسٹر اعلان کیا گیا کہ یکم اپریل کی صبح کو فاتحہ خوانی ہوگی اور سہ پہر کو مسجد فتحپوری کی جدید بلڈنگ میں جلسہ تعزیت ہوگا -

مگر ہمارے حیرت و استعجاب کی کوئی انتہا نہ رہی جب ہم نے دیکھا کہ جلسہ میں کسی نے بھی شرکت نہیں کی - آہ ! آج اُسی پیرزادہ محمد حسین کا جلسہ تعزیت تھا جس کے دروازہ پر بڑے بڑے جلیل القدر اپنی غرض کو جوتیاں چٹخاتے آتے تھے - اور اپنی مرادیں پوری کرکے جاتے تھے - آج اُس کے جلسہ تعزیت میں شریک ہونے سے اُن کے پاؤں شل ہوگئے - فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ -

ہمارے عنایت فرما جناب حکیم سید محمد ضمانُ الرّحمن صاحب انور سہسوانی مقیم دہلی نے۔ خان بہادر مرحوم کی تاریخ وفات تحریر فرمائی ہے وہ درج ذیل ہے۔ ملاحظہ ہو۔

تاریخ انتقال حق آگاہ

۲۸ ۶ ۱۹

زاہد پاک جناب پیرزادہ محمد حسین صاحب سی آئی ای پنشنر جج

۸۲ ھ ۱۳

از جویائے جناب حکیم سید محمد ضمانُ الرحمٰن انورؔ سہسوانی

۵۰ بکرمی ۱۹

انتقالِ پیرزادہ یک بیک عالمے تاریک شد مانندِ شب

سالِ فوتش انورِؔ محزوں بگو داخلِ فردوس گشت اعلیٰ نسب

۲۸ ۶ ۱۹

”انورؔ سہسوانی“

زمانہ کا جوبلی نمبر

جناب منشی دیا نرائن صاحب نگم بی۔ اے نے رسالہ زمانہ کا جوبلی نمبر شائع کیا ہے۔ یوں سمجھئے کہ پچیس سال یا چوتھائی صدی طے کرنے کے بعد زمانہ نے چھبیسویں سال میں قدم رکھا ہے۔ اور جشن جوبلی منایا ہے۔

یو۔ پی اور پنجاب نیز ہندوستان کے دوسرے صوبوں سے کثیر التعداد ادبی رسالے شائع ہورہے ہیں۔ اور حتی المقدور اردو علم ادب کی خدمت میں کمربستہ ہیں۔ مگر ہم یہ کہے بغیر ہرگز نہ رہ سکیں گے۔ کہ دیگر ممتاز رسائل جمہوری اعانت سے چل رہے ہیں۔ شخصی طاقت والے رسالے خریداروں کی سرد مہری کے ہاتھوں تنگ آکر دو چار دس پانچ برس کے بعد ختم ہوجاتے ہیں۔ اور آخری نتیجہ پر خسارہ ہی خسارہ نظر آتا ہے۔ سیکڑوں ہزاروں روپے گرہ سے کھو کر مجبوراً خاموش ہوجاتے ہیں۔

ادبی خدمت کا کام وہی شخص انجام دے سکتا ہے جسکو شعر و شاعری کا چسکا ہو۔ جس میں وضع داری کا مادہ قدرت نے کوٹ کوٹ کر بھرا ہو کہ بلا سے جان جائے مگر آن نہ جائے۔

کئی بار کانپور جانے کا اتفاق ہوا مگر عدیم الفرصتی اور روا روی نے نگم صاحب کی خدمت میں حاضری کی مہلت نہ دی ورنہ عندالملاقات ہم اُن کے عزم و استقلال کی ضرور داد دیتے۔

یہ تو جوبلی نمبر ہے اس کی تو کیا تعریف کی جائے۔ زمانہ کے معمولی ماہواری نمبروں میں سے جس کو بھی آپ اُٹھا کر دیکھیں گے اُس میں وہی یکرنگی اور وضع داری پائیں گے جو شروع سے اختیار کی گئی ہے۔

جوبلی نمبر میں

ولایتی چکنے کاغذ کے ۲۱۶ صفحے مضامین کے ہیں اور نہایت نفیس آرٹ پیپر پر

۲۶ عکسی فوٹو ہیں۔ فوٹو بھی اُن نظم و نثر نگاروں کے جن کے نام نے دُنیائے ادب میں ڈنکے بج رہے ہیں۔ گو اُن میں سے اکثر راہیِ ملکِ عدم ہو چکے۔ مگر جب تک اُردو لٹریچر کا دور دورہ رہے گا۔ اُن کے نام صفحۂ دُنیا سے نہیں مٹ سکتے ہیں۔

مرزا محمد رفیع سودا۔ حکیم مومن خان مومن۔ شمس العلماء مولانا حالی۔ شمس العلماء مولوی محمد حسین آزاد۔ شمس العلماء ڈاکٹر نذیر احمد۔ حضرت غالب۔ شمس العلماء مولانا ذکاء اللہ۔ حضرت امیر مینائی۔ حضرت داغ۔ پنڈت امرناتھ ساحر۔ مولانا عبدالحلیم شرر۔ جناب اکبر الہ آبادی۔ ڈاکٹر اقبال۔ حضرت خواجہ حسن نظامی۔ پنڈت راج نرائن چکبست۔ حضرت ریاض خیرآبادی۔ منشی درگا سہائے سرور۔ منشی نوبت رائے نظر۔ کس کس کا نام لکھوں اسی طرح ۶۵ بزرگوں کے فوٹو ہیں۔

مرزا رفیع السودا۔ اور حکیم مومن خان کے فوٹو تو ہمیں اس جوبلی نمبر کے طفیل دیکھنا نصیب ہوئے۔ ان میں سے پہلے یہ دونوں فوٹو کمیاب تھے۔

اس نمبر میں ہندوستان کے بہترین اہلِ قلم حضرات کے نظم و نثر مضامین درج ہیں آخر میں جناب منشی دیا نرائن صاحب نگم نے "یادِ رفتگان" کے عنوان سے زمانہ کے پچیس سالہ حالات نہایت تفصیل سے تحریر فرمائے ہیں جو حضرات راہیِ ملکِ بقا ہو چکے اور جو بقیدِ حیات ہیں جنھوں نے زمانہ کی اعانت میں حصہ لیا ہے۔ اُن سب کا مفصل حال نگم صاحب نے بالتفصیل اس میں لکھ دیا ہے۔ جوبلی نمبر کی قیمت ڈیڑھ روپیہ (عہ) ہے

دفتر زمانہ شہر کانپور سے طلب کیجیے

نہایت صحیح اور آراستہ قرآن مجید

جو چھپتے ہی ہزاروں کی تعداد میں فروخت ہوگیا۔ جس بچہ نے جس مدرسہ کے معلم نے دیکھا ہزار جان سے قربان ہوگیا۔ قلم نہایت جلی۔ کاغذ سفید موٹا چھپائی نہایت روشن اور چمکدار۔ کتابت بڑے پرانے خوشنویس کے ہاتھ کی جسکی ساری عمر قرآن نویسی میں گزر رہی ہے۔ صحت میں بڑے بڑے مولویوں کا صاد ہے۔ جلد چمڑے کی بہت مضبوط جزو بندی روپہلی کام ضخامت قریب چھ سو صفحوں کی ہدیہ مجلد چرمی عہ مجلد پارچہ عہ۔ اس کلام مجید کا بارہ پارہ علیحدہ ہے جس کا دل چاہے علیحدہ علیحدہ جلد بندھوا سکتا ہے۔

سیرت باقی

قدوۃ السالکین۔ زبدۃ العارفین۔ سرتاج عرفان حضور خواجہ خواجگان حضرت خواجہ رضی الدین احمد عرف حضرت خواجہ باقی باللہ رضی اللہ عنہ نقشبندی اویسی کے حالات زندگی میں اس سے پہلے کسی جامع و مکمل کتاب شائع نہیں ہوئی۔ عبارت سلیس اردو میں نقشبندیہ سلسلہ کی مستند تعلیم اور فنا فی اللہ حضور خواجہ باقی باللہ کے مجرب اعمال و اشغال، اوراد و وظائف کتاب سیرت باقی کے علاوہ آپ کو کسی دوسری کتاب سے دستیاب نہیں ہوسکیں گے۔ شروع میں حضرت ممدوح کے مزار پر انوار کا عکسی فوٹو آرٹ پیپر پر اور نہایت سفید چکنے کاغذ ولایتی کے ۱۱۲ صفحوں پر نقشبندیہ سلسلہ کا مکمل ذخیرہ درج ہے۔ قیمت صرف بارہ آنے (۱۲) قیمت صرف اسلئے کم رکھی گئی ہے کہ پیروِ خاندان نقشبندیہ خصوصاً اور سلسلہ چشتیہ۔ نظامیہ سہروردیہ۔ قادریہ۔ وغیرہ کے عوام و خواص عموماً اس کے مطالعہ سے بہرہ اندوز ہوں۔

ملنے کا پتہ: دفتر ندوۃ الصوفیا شاہجہانی پریس۔ دہلی

یہ معمولی کتابیں نہیں ہیں۔ یہ اس لائق ہیں کہ ان کو آپ اپنا دستور العمل بنائیں۔

کتب احادیث اردو

مظاہر حق۔ ترجمہ مشکوٰۃ شریف مع شرح فوائد و حل مطالب عام فہم نہایت مقبول و مستند۔ [illegible]

تحفۃ الاخیار ترجمہ اردو مشارق الانوار ۲۲۶۹ احادیث کا مجموعہ اور حدیث کی مستند کتاب ۲۰۰ بڑے صفحے۔ [illegible]۔ بخاری کی تعریف۔ اردو ترجمہ بامحاورہ و مطلب اردو میں ہے۔

مشکوٰۃ شریف اردو۔ مظاہر حق و اس میں فرق یہ ہے کہ اس میں شرح نہیں ہے کتاب کا اصل متن ہی ہے۔ صرف سلیس اردو میں ترجمہ ہے۔ قیمت [illegible] آٹھ روپیہ۔

کتب فقہ اردو

احسن المسائل ترجمہ کنز الدقائق۔ [illegible]۔ **اسرار الصلوٰۃ** نماز کے اسرار کا بیان۔ ۱ر

بہشتی زیور کامل معہ بہشتی گوہر۔ گیارہ حصوں میں۔ کاغذ چکنا ولایتی قیمت۔ [illegible]

تحفۃ الزوجین۔ مردوں کے حقوق عورتوں پر اور عورتوں کے حقوق مردوں پر کیا ہیں اس کتاب میں مفصل درج ہیں۔ قیمت ۸ر

ارکان الدین۔ ضروری سوال و جواب کے طور پر مسائل تحریر ہیں قیمت دس آنہ۔

زیور زیب النساء۔ عورتوں کے لئے نہایت مفید کتاب ہے۔ قیمت چھ آنہ۔

فتاوائے عالمگیری۔ نہایت مشہور و مستند کتاب ہے بڑی تقطیع کے تین ہزار سے زائد صفحے۔ قیمت تیس روپے ([illegible])

کتب لغات اردو

دستور الشعراء۔ شاعروں کے لئے لغات کی تذکیر و تانیث کا [illegible]۔ قیمت ۱۰ر

کریم اللغات۔ قیمت آٹھ آنہ (۸ر)

کریم اللغات معہ عظیم اللغات قیمت بارہ آنہ (۱۲ر)

لغات کشوری۔ قیمت چار روپیہ آٹھ آنہ ([illegible])

کتب تاریخ اردو

تاریخ حبیب الٰہ۔ حضور اکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی صحیح تاریخ قیمت ۱۰ر

تذکرۃ الاولیاء ۔ علامہ شیخ فرید الدین علیہ الرحمۃ نے اپنے زمانہ تک کے تمام مشہور صلحا و اولیاء کے اوصاف و فضائل مع ملفوظات تحریر فرمائے ہیں قیمت ۱۲/۔

تذکرۂ غوثیہ ۔ حضرت شاہ غوث علی صاحب پانی پتی کے حالات زندگی کا آئینہ۔ قیمت للعہ/

امین و مامون ۔ خلیفہ ہارون رشید کے لڑکوں۔ امین و مامون الرشید کے تخت خلافت پر۔۔۔۔ خانہ جنگیاں اور عیاروں کی چالاکیاں قابل دید ہیں۔ قیمت ۔عہ/

اورنگزیب عالمگیر پر ایک نظر ۔ عالمگیر کے صحیح اور مدلل تاریخی واقعات۔ قیمت ۸/

بیان الامراء ترجمہ تاریخ الخلفاء ۔ اس کتاب کا ترجمہ اس خوبی سے سلیس اردو میں با محاورہ کیا گیا ہے کہ ہر شخص دلچسپی لیسکتا ہے ۱۰۲ تک کی تمام خلفاء کی شان و شوکت حکومت و سلطنت کا سماں آنکھوں کو

تاریخ ابلیس ۔ ابلیس لعین کے دلچسپ تاریخ ۔ قیمت ۸/

تاریخ حرمین الشریفین ۔ مدینہ طیبہ و مکہ معظمہ کے مفصل حالات ۔ تمام راستوں کے خاکے مشہور منظروں کے فوٹو درج ہیں۔ قیمت ۱۲/

حیات سعدی ۔ شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی قیمت ۸/

حیات حافظ ۔ حضرت حافظ شیرازی کی ولادت سے وفات تک مفصل حالات قیمت ۸/

سوانح مولوی روم ۔ حضرت مولانا روم کے مفصل حالات زندگی ۔ قیمت چھ آنہ (۶ر)

حیات حالی حضرت حالی کے حالات زندگی قیمت ۶/ ۔ **سفرنامہ** مولانا شبلی نعمانی کا سفرنامہ روم و مصر۔

سیرۃ النعمان ۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کوفی رحمۃ اللہ علیہ کی مفصل سوانحعمری دو حصوں میں۔ عہ/

الفاروق ۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ابتدا سے انتہا تک مفصل حالات دو جلدوں میں قیمت ۱۲/

فردوس آسیہ ۔ حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ و حضرت عثمانؓ و حضرت علیؓ و اہل بیت و حسن و حسین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حالات و شہادات کا مجموعہ تین سو صفحوں پر قیمت عہ/ ۔

سفرنامہ ابن بطوطہ ۔ سفرنامہ عجائب الاسفار محمد ابن بطوطہ نے ۔۔۔ میں ہندوستان لنکا بلاد روم و شام اور دیگر اسلامی ممالک کا سفر کیا اور بچشم دید حالات بلا کم و کاست اس میں لکھے ہیں خان بہادر مولوی محمد حسین صاحب ایم۔ اے۔ سی۔ آئی۔ ای نے نہایت سلیس اردو میں ترجمہ کیا ہے مع نوٹ نہایت مفصل و دلچسپ ہے۔ قیمت سے/

ملنے کا پتہ ۔ دفتر اردوئے معلیٰ شاہجہانی پریس ۔ دہلی

۔۔۔ ستانہ اولیاء ۔۔۔

۔۔۔ حالات ۔۔۔

خوشی کے دام

(از ایس ایم رمضان صاحب سرور - رجمنٹل منشی فیروزپور)
(بہ سلسلۂ ماہ جنوری ۳۲ء)

(۲۰)

مسٹر گرے مکمل طور پر صحتیاب ہو چکا ہے۔ اختلالِ دماغ کی شکایت قطعاً باقی نہیں۔ اس کا وقت اب سیر و تفریح میں گزرتا ہے۔ لیکن جب تنہائی میں بیٹھنے کا موقعہ ملتا ہے۔ تو گزشتہ واقعات کا ایک دھندلا سا خاکہ اس کے دماغ پر کھنچ جاتا ہے۔ اس نقطۂ پر جو نقطۂ ماسکہ سے نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ وہ اس کی پیاری اور دل پسند بیوی کی "یاد" ہے۔ جسے اب وہ درحقیقت مردہ تصور کئے بیٹھا ہے۔

انسان جس شخص سے بے حد محبت رکھتا ہو۔ اور جب وہ قضارا اگر عالمِ جاودانی ہو جائے۔ تو انسان اگرچہ رفتہ رفتہ قدرتی طور پر صبر و شکر پر مائل ہو جاتا ہے۔ لیکن آفتابِ محبت کی ضیا باری میں فرق نہیں آتا۔ محبت کی شعاعیں ایک اور گھنگھور گھٹاؤں میں سے بھی چھن چھن کر ظلمت کدۂ دل کو بدستور منور کئے رہتی ہیں۔ اور دل اس پاکیزہ جذبہ کے احساس سے مسرور و مطمئن رہتا ہے۔

مسٹر گرے سمجھتا ہے کہ میری محبوبہ اس دنیائے فانی سے کوچ کر گئی۔ مگر محبت کی چنگاری اس کے دل میں سلگتی رہتی ہے۔ بیتاب آنکھوں کی تسکین کے لئے وہ اس کی تصویر جو بتقریب شادی اتاری گئی تھی۔ بار بار دیکھ لیتا ہے۔ اور دل بیقرار کی تسکین کے لئے اسے سامنے رکھ کر چند باتیں کر لیتا ہے۔

اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا خیالات میں مستغرق ہو رہا ہے۔ کہ اتنے میں اس کا بوڑھا خادم دبے پاؤں اس کے بالکل قریب آ کھڑا ہوتا ہے۔ محبت کا پیغام

ہے کہ مسٹر گرے کو خادم کے نہ نوکری میں داخل ہونے کا علم ہے اور نہ اس وقت اس کی موجودگی کا۔

دل کی بھڑاس نکال اور تصویر "یاد" مبز کی دراز میں رکھتے ہی کو تھا کہ بوڑھا ملازم سامنے کھڑا نظر آیا۔ اور ملازم بعد ادب دعجز یوں گویا ہوا:-

ملازم —— جناب! اگر آپ میری جان بخشی فرمائیں تو میں کچھ عرض کروں۔

مسٹر گرے —— کہو! کیا کہنا چاہتے ہو؟

ملازم —— حضور! میں پہلے ہی معافی مانگ چکا ہوں۔ اب مکرر ملتجی ہوں اور امید رکھتا ہوں۔ کہ آپ ضرور میرا قصور معاف فرمائیں گے۔ واقعہ یہ ہے کہ آپ کی بیوی جسے آپ مردہ سمجھے ہوئے ہیں۔ دراصل زندہ ہے۔ آپ کو محض دھوکا دیا گیا ہے۔ اگر آپ فی الحقیقت ملاقات کے آرزو مند ہیں۔ جیسا کہ میں نے ابھی ابھی آپ کے خیالات سنکر نتیجہ نکالا۔ تو چلئے دوبارہ مل لیجئے۔

مسٹر گرے —— (نہایت متعجب ہوکر) کیا تم سچ کہتے ہو۔ رتنی میری دلنواز نتی زندہ ہے۔ اور اس دنیا میں بقید حیات موجود ہے؟

ملازم —— جناب عالی! میں بالکل سچ عرض کررہا ہوں۔ باور نہ ہو تو سامنے لیجاکر دکھا سکتا ہوں۔ تشریف لے چلئے۔

مسٹر گرے —— بہت اچھا! مگر میں کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے پائے۔ تم ابھی جاکر جہاز کا بندوبست کرلو۔ اور آج ہی شام کو میرے ہمراہ چلنے کے لئے تیار رہو۔

---

(۲۱)

مسٹر ولیم کی مجوزہ دعوت شان و شوکت کے ساتھ منعقد ہوئی۔ سبھی مہمان آئے

اور یہ محفلِ ارباب نشاط خوب گرم رہی۔ مگر مسٹر ہارٹ مسٹر ولیم اور مسز گرے کی عدم موجودگی پر دل ہی دل میں کڑھتا تھا۔ اور محسوس کرتا تھا کہ اب دراصل مسز قانونی کے روپیہ کا لالچ ہی مجھے مسز گرے کی طرف نہیں کھینچ رہا۔ بلکہ اب تو حضرتِ عشق کا دخل ہے۔ اور جذبۂ تعشق کشش کا موجب ہے۔ جس نے دل میں خلش سی پیدا کر رکھی ہے اور کل سے کل نہیں آتی۔ خدا کرے کہ مجھے اُس بُتِ طناز کا وصل نصیب ہو

فعل گو ناجائز ہے لیکن آتشِ عشق کا بغیرِ وصال کے چھینٹوں کے فرو ہونا دشوار ہے +

دعوت کے چند روز بعد مسٹر ولیم ایک دن عصر کے وقت سیر کی خاطر گھر سے نکلا۔ اور سیدھا مسز گرے کے ہاں جا پہنچا۔ مسز گرے اور اُس کی خادمہ دکان بند کر رہی تھیں۔ اب یہ تینوں بالاخانہ (مسز گرے کے رہنے کی جگہ) پر جا بیٹھے۔ تھوڑی دیر بعد خادمہ کھانا کھانے کو وہاں سے رُخصت ہو گئی۔ اور مسٹر ولیم نے سلسلۂ کلام یوں شروع کیا۔

مسٹر ولیم —— ہماری دعوت یوں تو ہر نوع شاندار رہی۔ سب مہمان نہایت محظوظ ہوئے۔ لیکن مجھے تو آپ کی عدم شمولیت کی وجہ سے دعوت کا رنگ پھیکا ہی معلوم ہوتا تھا۔ کاش کہ آپ بھی اس موقعہ پر جلوہ بار ہوتیں۔

مسز گرے —— میں نے تو آپ سے پہلے ہی کہہ دیا تھا۔ طبیعت کچھ ایسی افسردہ ہو چکی ہے۔ کہ کسی محفل میں شریک ہونے کو دل نہیں چاہتا۔

مسٹر ولیم —— مانا کہ آپ کا دل نہیں چاہتا۔ لیکن کسی کے ذرا دل کی خاطر اگر آپ چند لمحوں کے لئے بھی اپنی مخصوص توجہ مبذول فرماتیں تو یہ اعجازِ مسیحائی سے کم نہیں۔

مسز گرے —— (سادگی سے) میں کس قابل ہوں۔ میں تو ایک لاوارث اور بدنصیب ہستی ہوں۔

مسٹر ولیم — سچ ہے - پانی کی قدر ماہی بے آب سے پوچھنا چاہیے -
اور بیتابی دل کی کیفیت کسی عاشق زار سے دریافت کیجیے جو
تیر نظر کا شکار ہو چکا ہو - اور مثل سیماب تڑپ رہا ہو -
مسٹر گرے — آقا ! آپ تو کچھ شاعرانہ رنگ آمیزی پر اُتر آئے -

(باقی آئندہ)

لال قلعہ کے نیچے گولڈن ہارن

Golden. Horn.

(از جناب سید ناصر نذیر صاحب فراق دہلوی)

نہ گیا کوئی عدم کو دل شاداں لیکر
یاں سے کیا کیا نہ گئے حسرت و ارماں لیکر

صدیاں اور قرن نہیں گزرے - بلکہ کچھ دنوں کی بات ہے کہ تیرپولیہ سے گزر کر دریائے جمنا کی سنہری شاخ لال قلعہ کی قدمبوسی کرتی ہوئی - زینت المساجد کے نیچے آئی تھی - اور زینت المساجد کے پاس جو فصیل میں کھڑکی لگی ہوئی ہے اُس کے پاس سے ہوتی ہوئی - آگے جا کر بڑے دریا میں ملجاتی تھی - کھڑکی سے بیس کوئی قدم جا کر سوتا کنواں تھا - اور کنوئیں سے اُتر کی طرف پانی میں اینڈپڑتی تھی - بڑے بڑے تیراک اور تیرنے والے یہاں تیرنے کی مشق کیا کرتے تھے - اینڈ میں پھنسکر اُستاد تو نکل ہی جاتے تھے الھڑ اناڑی ڈوب کر مرجاتے تھے -

مسجد گھاٹ سے لیکر تیرپولیہ تک جمنا نے دھوبیوں کے تھور سے جو ہر

اور مچھلی کے سبز دکھائی دیتے تھے۔ اور لال ٹلے کے بھنور کو دل کشی بخشتے تو آسمان
وہاں کی لطافت تھی وہ کہتی تھی کہ میں کبھی حسن مغلیہ کے فوٹو کی پلیٹ رہ چکی
ہوں - محبوبہ زیب النسا اور جہاں آرا اور عالم آرا - اور ممتاز محل کے
سراپا کا عکس پڑتا ہے - اس ممتاز زمن کے کنارے مچھلی پکڑنے والے
نشہ مست اور بنسی دریا میں ڈال کر اپنے محبوب کے تصور میں - کنارے پر غرق رہتے
تھے - کانٹوں میں کبھی بڑی سی پائل آ جاتی تھی تو اس کا دریا سے نکالنا قیامت
ہوتا تھا - کانٹا اگر خراب ہوتا تھا تو دوسرا سستا نہیں ہوتی تھی - فقیر فراق بارہ
دری میں بیٹھے بیٹھے اپنی نظر سے یہ تماشے دیکھا کرتا تھا -

ایک بار میری آنکھوں کے سامنے یہ سماں آیا - دیکھتا ہوں بیچ کے بیچ بیٹھکی کر
استاد مچھلی کے شکار میں مشغول ہیں - اور ان کے ادھر ادھر اور بھی کئی شکاری
مچھلی کا شکار کھیل رہے ہیں - اور کانٹے دریا میں ڈالے چپ چاپ بیٹھے ہیں شاہدرہ
کی طرف سے سورج نکل رہا ہے - اور شفق اور سورج کا عکس پانی میں عجب بہار
دے رہا ہے -

ناگہاں ایک شخص دراز قد میلے کپڑے پہنے ، اونچی سی دھوتی باندھے -
بغل میں ایک توشک کے اندر موٹی سی کوئی چیز لپیٹے دریا پر پہنچا - اس شخص کے
پیچھے ایک لہنگے والی عورت تھی - عورت کی گود میں کوئی ساڑھے تین برس کا
بچہ تھا اور کوئی پانچ برس کا اس کے ساتھ تھا - جس کی انگلی وہ پکڑے ہوئی تھی -

شکاریوں نے ان دونوں زن و مرد اور دونوں بچوں کو نگاہ غلط انداز
سے دیکھا - اور آنکھیں نیچی کر کے اپنے اپنے کانٹوں کو گھورنے لگے - کہ اتنی سی غفلت
میں مچھلی کانٹے کو لیکر چل تو نہیں دی -

اس شخص نے اپنی لپٹائی توشک کو دریا میں زور سے پھینک دیا - توشک
کے دریا میں گرتے ہی - پانی کے اندر دھماکا ہوا - اور اب سب شکاریوں نے چونکتا
ہو کر دیکھا کہ اس شخص نے دریا میں کیا چیز پھینکی - اور اس میں توشک دریا پر تیر کر پہنچے

لگی اور اُس کے پنجے سے کام کتے کی لاش اُبھر کر پانی پر آئی اور پانی کا بہاؤ اُسے لے چلا -

کتے کی لاش کو دیکھ کر وہ اجنبی شخص آہ و فغاں کرنے لگا - مرد کو روتا دیکھ کر لنگے والی عورت بھی بیان کر کر کے رونے لگی - ماں باپ کو روتا دیکھ کر دونوں بچے بھی بلک بلک کر رونے لگے - سننے والوں کو اس عورت کے بیان سے یہ معلوم ہوا کہ یہ ان دونوں میاں بیوی نے اس کتے کو چھوٹا سا پالا تھا - اور یہ دونوں اور ان کے بچے اُس کتے سے بہت مانوس تھے - اور کتا بھی ان سب پر اپنی جان دیتا تھا قضائے الٰہی سے یہ فوت ہو گیا - اور یہ لوگ اپنے یار وفادار کی لاش کو سپرد دریا کرنے آئے ہیں - کتے کو بے کسی اور بے بسی میں دریا کی تھپیڑیں کھاتا دیکھ کر اُن کا جی بھر آیا ہے اور عورت کتے سے مخاطب ہو کر کہہ رہی ہے -

"پیارے تیری جدائی شاق ہے، مگر کیا کریں تو رہنے سے مجبور ہے اور ہم تجھے رکھنے سے معذور ہیں - ہم نے تجھے بڑے لاڈ سے پالا تھا - مگر یہ نہ معلوم تھا کہ تو بھی بیمار ہو کر مر جائے گا اور ہم ہاتھ ملتے رہ جائیں گے -

چھنکیتی کے استاد نے جب ان سوگواروں کے رونے کا بھید سمجھا - تو یہ بھی ماہی بے آب کی طرح بے قرار ہو گئے - کیونکہ حضرت کا دل ایک قتالہ عالم پر آیا ہوا تھا اور وہ کافر انھیں تڑپتا چھوڑ کر اغیار کے ساتھ آگرہ کو چلدی تھی -

ان میاں بیوی کے تعلق کو دیکھ کر غیرت و حیا نے اُستاد کے کلیجہ میں چٹکی لی - اور درد سینہ سے اُن کے کان میں آواز آئی کہ اے انسان تو نے عشق کے کرشمے کو دیکھا کہ یہ انسان اور حیوان سے سانٹا جوڑ دیتا ہے اور آدمی پر آدمی مرنے لگے تو کچھ تعجب کا موقعہ نہیں ہے - اگر آدمی کی معرفت کے کان کھل جائیں تو اُسے معلوم ہو کہ صدا آتی ہے کہ انسان حیوان کیسے عشق سے کائنات کا کوئی ذرہ - اور دریا کا کوئی قطرہ محبت اور الفت سے خالی نہیں ہے اور جب آدمی عشق و الفت سے خالی ہو - تو وہ خاک اور دھول سے بدتر ہے - فقط

لطفِ سخن

(ناخدائے سخن - تاج الشعراء حضرت نوح ناروی سے)

درد الفت کو آپ کیا جانیں — اس مصیبت کو آپ کیا جانیں
اب وفا ہو چکی جفا کے بعد — ترک عادت کو آپ کیا جانیں
دل سے باہر کبھی نہیں نکلی — میری حسرت کو آپ کیا جانیں
میں بتاؤں گا پوچھئے مجھ سے — رازِ الفت کو آپ کیا جانیں
کعبہ و دیر سے سوا ہے دل — اس کی عظمت کو آپ کیا جانیں
حسن صورت کو جانتے ہیں آپ — حسن سیرت کو آپ کیا جانیں
جب محبت کسی سے کی ہی نہیں — تو محبت کو آپ کیا جانیں
عمر کتنی ہے تجربہ کتنا — وصل و فرقت کو آپ کیا جانیں
جو مری جان پر گزرتی ہے — اس قیامت کو آپ کیا جانیں
گھر سے باہر قدم نہیں رکھا — وحشت الفت کو آپ کیا جانیں
حضرت نوح سے خدا کی پناہ — ان کی عادت کو آپ کیا جانیں

کیا ہے کام کیا یہ دردِ فرقت دیکھئے — دو ہی دن میں کیا ہو گئی کیا میری حالت دیکھئے
ہائے جب بیمار غم کے سر پہ آ پہنچی اجل — آتے ہیں اس وقت وہ بہر عیادت دیکھئے
قید سے چھوڑا ہمیں تو بال و پر سب نوچ کر — دیکھئے صیاد ظالم کی شرارت دیکھئے
پاک ہو گا داغ عصیاں سے یہ اس رند عشق — آ رہا ہے جھوم کر وہ ابر رحمت دیکھئے
وہ شب وعدہ نہ آئے موت کی نیند آ گئی — آ گیا میرے لئے روز قیامت دیکھئے
خود ہی دے کر دردِ فرقت پوچھتے ہیں حال پھر — خود ہی [illegible] دیکھئے
وہ دمِ آخر جو آئے بھی تو پھیرو دل کو سنئے — اللہ اللہ [illegible] دیکھئے
روز و شب کی گریہ و زاری سے شبنم فائدہ — کس قدر رسوا ہوں میں [illegible] دیکھئے

(سوختہ شبنم [illegible])

فوج کو آلکر ستون کھجوریں دیجاتے ہیں۔ یہ لوگ نفرت کا جواب الفت سے کیوں دیتے ہیں ضرور اس میں کوئی راز ہے۔ لوگ مجمع کے جواب دیتے ہیں کہ دنیا میں نبی آخر الزماں کی آمد آمد ہے وہ مکہ میں پیدا ہوں گے اور اسی شہر میں ہجرت کرکے قیام فرمائیں گے یہاں کے رہنے والوں کے اخلاق خدائے تعالیٰ نے اس لئے شایستہ بنائے ہیں تبع ارادۂ جنگ سے باز رہکر اپنے ملک کو واپس چلا جاتا ہے اور ایک خط لکھ کر دیجاتا ہے کہ تم میں سے جو کوئی بھی رسول کی آمد کے وقت زندہ رہے یہ عریضہ حضور تک پہنچا دے۔ اسی واقعہ کی نسبت قرآن پاک میں ہے۔ وَأَصْحٰبُ الْأَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ - یہ مدارج مہمانداری ہی تھے کہ جن سے ارادۂ جنگ ملتوی ہو جاتے تھے۔

ایک زیر کرایہ ارکا برتاؤ اپنی مالک مکان سے

ایک بزرگ نے کسی آدمی کا مکان کرایہ لیا تھا اور وہ چند روز اُس کے مکان میں رہا تھا پھر چلا گیا اور دوسرے ملک میں جاکر وزارت پر ممتاز ہوگیا۔ وہ مکان دار اتفاقؔ اُس وزیر کا مہمان ہوتا ہے مگر دربان اندر جانے سے روکتا ہے۔ یہ غریب کہتا ہے کہ میں وزیر کا دوست ہوں اُس کا مہمان ہونا چاہتا ہوں اطلاع کر مگر دربان اُس سے وجوہ تعلقات کا سوال کرکے صرف یہ جواب پاتا ہے کہ وزیر چند روز میرے مکان میں کرایہ دار کی حیثیت سے رہے تھے اس تعلق سے مجھے حق ہے کہ مہمان ہوں۔ دربان منکر کہتا ہے کہ اس ایک ادنیٰ سے حق پر تیری دلیری قابلِ تعجب ہے۔ جا اپنی راہ لگ۔ اس حقیر وسیلہ سے تو قابل مہمانی نہیں ہے۔ وزیر در پردہ یہ بات چیت سنتا ہے اور کہتا ہے کہ ہاں ہاں! میں اس غریب کی چند روز رہتا رہا تھا یہ میرا دوست ہے اور واقعی حقوق مہمانی اس کو حاصل ہیں۔ مسافر اندر لے جاتا ہے۔ اور طرح طرح کی مدارات کے علاوہ اس قدر زر و مال دیتا ہے

سلہ زمانۂ جاہلیت میں اہلِ عرب کا دستور تھا کہ مہمان کے آنے سے بہت خوش ہوتے تھے گھر کے تمام چھوٹے بڑے مہمانی میں مصروف ہو جاتے تھے اور مہمان کو اللہ کی نعمت ... سمجھتے تھے

کہ مہمان مالامال ہو جاتا ہے اور اپنے گھر کو واپس ہو جاتا ہے ؎

بزرگانے کہ اہلِ اقتدار اند — ہمہ مسکین نواز و حق گذارند

اساس مکرمت بر حق شناسیست — بصورت ناشناسی ناسپاسیست

ابراہیم بن مہدی کا زمانہ فراری اور جابجا مہمان ہونا

اس مقام پر ایک واقعہ ابراہیم بن مہدی کا جو مامون الرشید کا چچا تھا۔ سُنانا ضروری ہے کہ وہ کن کن مصائب میں گرفتار ہو کر کہاں کہاں مہمان ہوا اور اُس کے ساتھ میزبانوں نے کیسے کیسے سلوک کئے۔ یہ کوئی فرضی واقعہ نہ سمجھنا چاہیے بلکہ تاریخی واقعہ ہے۔

لکھا ہے کہ ہارون رشید کی وفات کے بعد جب اُس کا قابل فخر اور مایہ ناز فرزند ارجمند مامون الرشید بغداد کا تاجدار ہوا اور اُس نے خلیفۃ الاسلام والمسلمین کا منصب جلیل پایا ہے تو ابراہیم نے مقام "رے" میں علم بغاوت بلند کیا اور خود دعوی خلافت کرکے "رے" کے تمام علاقہ پر دو سال تک برابر قابض رہا۔ مامون نے اور ضروری جنگوں سے فراغت کرکے اس کی سرکوبی کو "رے" پر لشکر کشی کی اور بہت جلد اس کو اپنے زیر تسلط کر لیا۔ اب ابراہیم کے لئے اس کے سوا چارہ کار نہ تھا کہ اپنی جان کو موت کے پنجۂ آہنی سے بچا کر بھاگ گئے۔

ابراہیم خود بیان کرتے ہیں کہ اُن کی مفروری کے بعد مامون نے ایک لاکھ اشرفی کا انعام گرفتار کنندہ کے واسطے اعلان کیا۔ اس معقول رقم کی طمع میں ابراہیم کے دوست بھی دشمن ہو گئے کہ جہاں ابراہیم ملے گرفتار کر لیں۔ ابراہیم پر نہایت تنگ حال تھا زمینِ خدا اُس کے واسطے تنگ ہو چکی تھی۔ غرض وہ بحالتِ یاس تبدیل لباس کرکے اپنے قصرِ شاہی سے نکلا۔ دوپہر کا وقت تھا گرمی کا موسم۔ چلا جا رہا تھا۔ ایک حبشی غلام اپنے مکان کے دروازہ پر کھڑا ہوا دکھائی دیا وہ اُس کے پاس گیا اور بڑی خوشامد سے کہا کہ کیا تمہارے ہاں کوئی ایسی جگہ ہوگی کہ دوپہر بھر ہم گذران

غلام حبشی نے کہا کہ ضرور ایسی جگہ ہے - اور دروازہ کھول کر اندر لے گیا - ابراہیم نے دیکھا مکان پُر تکلف ہے - غلام باہر سے دروازہ بند کر کے چلتا ہوا - ابراہیم کے دل میں وسوسہ پیدا ہوا کہ میں اپنے ہاتھوں آپ گرفتارِ دامِ بلا ہوا - ضرور یہ غلام مجھے پہچان گیا ہے اب میری گرفتاری سے مالا مال ہو جائے گا - اس گھبراہٹ کا اندازہ ناممکن ہے - خیر تھوڑی دیر بعد غلام آ گیا یا یوں کہئے کہ شریف میزبان آ گیا - اُس کے ساتھ ایک حمال تھا جو تمام ضروریاتِ خورد و نوش لئے ہوئے تھا - حمال کو سامان لیکر رخصت کیا - اور ابراہیم سے ادب و تعظیم سے کہنے لگا - میرے آقا ولی نعمت خدا نے مجھے آپ کی میزبانی ہونے کی عزت دی - میں حجامت و سینگی لگانے کا پیشہ کرنے والا آدمی ہوں - میں جانتا ہوں کہ میری جو کچھ حیثیت اور جو کچھ معاش ہے وہ حضور کو معلوم ہے - حضور کا نفس اس کو قبول نہ کرتا ہوگا کہ میرے ہاتھ کی کوئی شئے کھائیں - یہ کہکر سامان ابراہیم کے سامنے رکھدیا اور خود علیحدہ ہو گیا - ابراہیم نے آسودہ ہو کر کھایا - پھر غلام حجام نے وہ وہ مدارات کیں کہ ابراہیم کی کلفت اور گرفتاری کا خیال دل سے معدوم سا ہو گیا پھر حجام نے طرح طرح کے نغمات سے کہ فن موسیقی کا وہ ماہر تھا ابراہیم کو مسرور کیا - پھر ابراہیم نے بھی اپنے میزبان کو نغمۂ بربط سے مسرور کیا - اب ابراہیم رخصت ہونے لگا تو اُس کے پاس کچھ اشرفیاں تھیں وہ میزبان کو دینے لگا - اور کہا کہ یہ ناچیز رقم خرچ میں لاؤ - ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ اگر میں اعدائے ناموس سے محفوظ رہا تو تم کو بہت کچھ صلہ دوں گا

حجام غلام نے فوراً واپس کر دیا - جب وقت ابراہیم وہاں سے رخصت ہوا - میزبان آبدیدہ ہوا اور اس نعمتِ مہمانی کے جدا ہونے کا سخت ملال اُسکو ہوا - تم غور کر سکتے ہو - یہ وہی ابراہیم ایک حجام غریب غلام کا مہمان تھا جس نے ایک ہزار اشرفی کا انعام گرفتار کرنے پر مقرر کیا تھا -

آہ ہے کوئی ایسا جو ایسے مہمان کو مہمان غنیمت سمجھے اور ایک ہزار اشرفیوں پر لات مارے؟ ہرگز نہیں!

دوسرا واقعہ لکھا ہے کہ جب ابراہیم بحالت مایوسی گرفتاری کے ڈر سے حجام کے مکان سے چلا تو اُس پر ایسا خوف غالب تھا جیسا کہ در اصل مجرم پر ہوا کرتا ہے۔ آٹھ روز برابر رات کی تاریکیوں میں گھومتا رہا۔ ایک روز ایک مشہور پل پر سے گزر رہا تھا جو اُس زمانہ میں تفریح گاہِ عوام تھا۔ یہ وہ پل تھا جس کی بابت ایک مشہور شاعر ابن جہم کہتا ہے۔

عیون المہا بین الرصافۃ والجسر

جلبن الہوی من حیث ادری ولا ادری

ترجمہ:- رصافہ اور جسر کی حسینوں کی دل فریب آنکھوں نے (ایسے ایسے دیوانے) محبت اور عشق کا اثر بھر دیا ہے کہ کچھ تو میں جانتا بھی ہوں اور کچھ نہیں بھی جانتا۔

پل پر چھڑکاؤ کیا ہوا تھا۔ کیچڑ سے سڑک لت پت تھی اور ایک فوجی افسر ٹہل رہا تھا۔ اُس نے ابراہیم کو دیکھ لیا اور سمجھا کہ یہی شخص تو امیر المومنین مامون الرشید کا مطلوب ہے۔ وہ سوار تھا اور ابراہیم پیدل۔ مگر ابراہیم نے اس زور سے دھکا دیا کہ پھسلن کی وجہ سے وہ دور جا کر گرا اور زخمی ہو گیا۔ اٹھ کر ابراہیم کو پکڑنا چاہتا تھا مگر ابراہیم دوڑ کر ایک راستہ پر ہو لیا۔ تھوڑی دور جا کر کیا دیکھا کہ ایک دروازہ کھلا ہوا ہے اور دہلیز پر ایک عورت کھڑی ہے۔ ابراہیم نے مایوسی کے لہجہ میں کہا اے سردار خواتین مجھ پر رحم فرمایئے اور میری جان بچایئے کہ میں ایک خوفزدہ انسان ہوں اور مجھ کو اپنی جان کا خطرہ ہے۔

شریف خاتون نے کہا بسم اللہ سر و چشم مہمان ہو جئے۔ کرم کیجئے۔

یہ کہہ کر وہ نیک دل خاتون ابراہیم کو اندر لے گئی۔ اور ایک بالاخانہ پر پہنچا دیا۔ اور بستر بچھا دیا اور فوراً کھانا لے آئی اور کہا کہ میرے مہربان مہمان اپنا خوف و ہراس دور کیجئے۔ یہاں کسی کو آپ کی خبر نہیں ہو سکتی۔

اتنے میں زنجیر دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز آئی وہ گئی اور دروازہ کھولا۔ ابراہیم نے دیکھا کہ وہ سوار جس کو ابراہیم نے گرا کر لہولہان کر دیا تھا اُس کا شوہر تھا۔ سر سے پٹی بندھی ہوئی تھی اور کپڑوں پر خون بہہ رہا تھا۔ گھوڑا بھی چھوٹ کر بھاگ گیا تھا۔ یہ منظر دیکھ کر ابراہیم کے ہوش اُڑ گئے اور یقین ہو گیا کہ اب جان بچنی بڑی دشوار ہے۔

خاتون نے اپنے شوہر سے پوچھا۔ یہ کیا مصیبت آئی اور کس نے تمکو اس قدر مجروح کیا۔

شوہر بولا۔ آج ایک بڑی دولت پر ہاتھ مارا تھا مگر شکار ہاتھ سے نکل گیا۔ پھر سارا قصہ بیان کیا۔ عورت نے جھٹ ریشم جلا کر زخموں میں بھرا۔ زخم دھو کر پٹی باندھ کر بستر پر لٹایا کہ آرام سے سو رہے۔ وہ ابھی کچھ غنودگی میں آیا تھا کہ عورت ابراہیم کے پاس آ کر کہنے لگی غالباً وہ آپ ہی ہیں جن کے ہاتھ سے میرا شوہر مجروح ہوا ہے۔ ابراہیم نے ڈرتے ڈرتے کہا۔ ہاں! نیک دل خاتون وہ بدنصیب میں ہی ہوں۔

خاتون۔ خیر! کچھ خوف نہ کرو جب تک میرا شوہر علیل ہے تم میری حفاظت میں ہو۔ میں ہرگز مہمان سے دغا نہیں کرونگی۔

ابراہیم تین دن تک اُس نیک دل خاتون کے گھر چھپا رہا اور وہ نہایت عزت واکرام سے مہانداری کرتی رہی۔ گو اُسے بھی معلوم ہو گیا تھا کہ یہ مفرور اور اشتہاری ہے چوتھے روز اُسی خاتون نے کہا کہ میرے شوہر کو اب صحت ہو گئی ہے اور مجھے اندیشہ ہے کہ اُسکو کہیں تمھارا پتہ نہ مل جائے اور ایک تو لالچ انعام گرفتاری اور دوسرے صدمہ چوٹ کا غصہ۔ ایسا نہ ہو کہ گرفتار کرا دے۔

آخر کار ابراہیم کو عورتوں کا لباس پہنا کر اپنے گھر سے رخصت[۵] کر دیا مگر حسرت وافسوس کے ساتھ۔ یہ تھی مدارات مہمان کہ شوہر زخمی کی بھی پاسداری نہیں کی اور ایک لاکھ اشرفیوں پر لات ماردی۔ ورنہ کب ممکن تھا کہ ابراہیم صحیح وسلامت وہاں سے نکل جاتا۔

المختصر ابراہیم آگے چل کر اپنی آزاد کردہ لونڈی کے ذریعہ سے گرفتار ہو کر مامون کے حضور لایا گیا۔ مجبور ومعذور حاضر ہو کر نہایت منت سماجت کی اور تقصیر بغاوت کی معافی چاہی۔ آخر کار قصور معاف کر دیا گیا اور مامون نے کہا کہ اے چچا ابراہیم اب تم کسی بات کا خوف نہ کرو۔ اور سب مال واسباب ضبط شدہ واپس دیدیا۔

اس کے بعد ابراہیم نے اپنی کل سرگذشت حجام غلام کا سلوک، فوجی سوار سے

---

[۵] مہمان کے ساتھ میزبان کو تعظیم کے لئے رخصت کرنے کے واسطے گھر کے دروازہ تک جانا چاہئے۔ حدیث = یخرج الرجل مع ضیفہ الیٰ باب الدار ۱۲۔

مجرب اُس کی زوجہ کی شرافت و مہانداری اپنی آزاد کردہ لونڈی کی عیاری جو باعث گرفتاری ہوئی تھی۔ سب مفصل بیان کر دی۔

مامون الرشید نے فوراً سب کو طلب کیا۔

عیار لونڈی صلۂ گرفتاری کے انتظار میں بیٹھی ہوئی تھی وہ بھی دربار میں لائی گئی۔ اول مامون نے اُس سے ہی سوال کیا کہ کیوں تو نے اپنے آقا اور مالک سے ایسا بدسلوک کیا؟

لونڈی بولی۔ زر انعام کے لالچ میں۔

مامون نے اُس کے دو دو سو کوڑے لگوا کر حبس دوام کر دیا۔

پھر فوجی سوار سے کہا تو خدمت فوجی کے قابل نہیں بلکہ حجام ہونے کے لائق ہے اور حکم دیا کہ یہ یتیم بچوں کی سنگی لگایا کرے جب اچھی طرح کام سیکھ جائے تو حجام کی دکان اور اُس کا سامان اس کو دیدیا جاوے۔ پھر اُسکی عورت کی بہت عزت و حرمت کی اور اپنی حرم سرا میں کسی معزز خدمت پر مامور کر دیا۔

پھر حجام سے مخاطب ہو کر فرمایا تمھاری بڑی شرافت اور عالی ظرفی ہوئی تم نے بڑا ایثار کیا کہ ایک لاکھ اشرفی کی پروا نہیں کی اور حکم دیا کہ فوجی افسر کا گھر اور تمام سامان اس کو دیدیا جائے اور ایک خلعت فاخرہ اُس کو عطا کیا اور بہت کچھ نقد صلہ و انعام اور ایک ہزار اشرفی سالانہ اُس کا منصب مقرر کر دیا۔

ناظرین دیکھا۔ مہانداری کے نتائج کیا پھل لائے۔ ابراہیم کے دشمن کے ہاتھ سے میزبانوں نے کیسے کیسے نفع اُٹھائے۔

اس مقام پر حجام اور فوجی افسر کی بیوی کی مہانداری قابل سبق ہے۔

(خلیفہ مامون الرشید میزبان اور قاضی یحییٰ مہمان)

رسالہ [illegible] لاہور۔ دسمبر ۱۹۱۶ء میں۔ خلیفہ مامون الرشید کا [illegible] نظر سے گزرا وہ یہ ہے کہ:۔

قاضی یحییٰ بن اکثم کا بیان ہے کہ مجھے ایک رات خلیفہ مامون کے ہاں مہمان رہنے

اتفاق ہوا۔ رات کا ایک حصہ گزرچکا تھا۔ مجھے پیاس کی شدت نے مجبور کیا۔ اُٹھا کر گھڑوں تک پہنچوں اور پانی پیوں۔ چونکہ ابھی رات زیادہ گزری تھی۔ معلوم ہوا کہ خلیفہ ابھی جاگتے ہیں آپ نے میرے اُٹھنے کی آواز سُنی اور فرمایا۔

خلیفہ مامون۔ یحییٰ کدھر جاتے ہو؟

یحییٰ۔ یا امیرالمومنین پیاس بجھانے گھڑوں کی طرف رُخ کئے جاتا ہوں۔

خلیفہ مامون۔ اپنی جگہ پر واپس چلے آئیے۔

یحییٰ یہ سنکر اپنی جگہ واپس چلے آئے اور بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر ہوئی تو آپ سے ایک آواز سنی۔ یا یحییٰ۔

آواز پر متوجہ ہوکر دیکھا تو عرب و عجم کا خلیفہ اور امیرالمومنین پانی کا آبخورہ لئے ہوئے سرہانے کھڑا کہہ رہا ہے۔ پانی پی لیجئے۔

یحییٰ اُٹھے۔ پانی پیا اور کہا۔

یحییٰ۔ یا امیرالمومنین کیا کوئی خادم موجود نہ تھا۔

خلیفہ مامون۔ سب کے سب آرام سے سو رہے تھے میں نے مناسب نہ جانا کہ اُنھیں بے آرام کروں۔

یحییٰ۔ میں خود جو اُٹھا تھا آپ نے مجھے کیوں نہ جانے دیا۔ اور خود حضور نے اتنی زحمت کیوں اُٹھائی۔

خلیفہ مامون۔ بشر کو یہ بات آسانی سے پہنچ سکے واسطے جو مہمان کو پانی تک نہ پلا سکے

تھوڑی دیر گزری۔ تو فرمایا۔ یا یحییٰ۔

میں نے کہا لبیک۔

فرمایا۔ تمھیں ایک حدیث سناؤں۔

میں نے عرض کیا۔ ارشاد ہو۔

فرمایا۔ سَیِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُھُمْ۔

۵ اگست ۱۹۳۶ء کا اخبار ہمدم لکھنؤ اتفاقیہ نظر سے گزرا جس میں بعنوان "مسلمان فیاض اور مہمان نواز ہوتے ہیں"۔ ایک ہندو راجپوت کا ذاتی تجربہ تحریر ہے۔ وہ مثال کے لئے درج رسالہ کرتے ہیں۔

مسلمان فیاض اور مہمان نواز ہوتے ہیں

(ایک ہندو راجپوت کا ذاتی تجربہ)

اخبار "مسلم آوٹ لک" میں ایک ہندو راجپوت نے مسلمانوں کی فیاضی اور مہمان نوازی کے متعلق اپنے ذاتی تجربہ کی بنا پر ایک مضمون لکھا تھا جس کا ترجمہ یہ ہے:۔

مجھے اپنے مذہبی تنازعات میں حصہ لینے کے مواقع ملے ہیں۔ دوران مباحثہ مذہب اسلام کا ذکر آیا ہے۔ میں ایک پہاڑی ضلع کا رہنے والا ہوں۔ ہندوؤں نے اکثر یہ ظاہر کیا کہ خیراتی کام میں اُن کی قوم جتنا صرف کرتی ہے اُتنا کوئی دوسری قوم صرف نہیں کرتی۔ لیکن میں چند مثالیں بیان کرتا ہوں۔ جن سے ظاہر ہوگا کہ ہندوستانی مسلمان اپنی روزانہ زندگی میں کس قسم کی فیاضی یا مہمان نوازی سے کام لیتے ہیں۔

کچھ عرصہ ہوا کہ مجھے کوئی بیس میل کا سفر کرنا پڑا۔ جب میں پندرہ میل طے کر چکا۔ تو مجھے شدید بخار محسوس ہوا۔ میں ایک موضع میں گیا۔ جو سڑک پر واقع تھا۔ اور ایک مسلمان کے دروازہ کی کنڈی کھٹکھٹائی۔

موضع مذکور میں مسلمانوں کے صرف تین یا چار مکانات تھے۔ میں نے ایک مسلمان سے کہا کہ مجھے ایک چارپائی دیجئے۔ فوراً اُس نے مجھے ایک چارپائی لا کر دی اور میرے بستر کا انتظام کیا۔ وہ تمام وقت میرے پاس بیٹھا رہا۔ اور بہت شفقت و محبت کیساتھ میری تیمارداری کرتا رہا۔ مجھے بہت تیز بخار تھا اور میں بار بار پانی مانگتا تھا۔ چونکہ میں ہندو تھا۔ اس لئے مجھے پانی دینے کے لئے وہ اپنے گاؤں سے ایک ہندو کو بلا لایا۔

الحاصل میں نے تمام شب اُس مسلمان کے ہاں گزار دی۔ دوسرے روز صبح کو مجھے رخصت کرنے کے لئے مناسب انتظام کیا۔ اس طرح اُس نے ایک اجنبی کیساتھ

خشک ہو جا رہا ہے۔ میرا تن خاکستر ہوا جاتا ہے۔ میرے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں اور جسم تھرتھراتا ہے۔ عضو عضو جدا ہوا جاتا ہے۔ کمان جواب دیا جاتی ہے۔ میں سوچتا ہوں کہ اپنا دل۔ ہاں میں اپنے عزیزوں اور یگانوں کو اس جنگ میں قتل کر کے کیا خوشی حاصل کروں گا۔ میں ایسی فتح مندی سے باز آیا۔ اب مجھے نہ ملک گیری کی آرزو ہے اور نہ عیش و تن آرائی کا شوق ہے۔ آہ! ہم جن کے لئے بادشاہت کی خواہش رکھتے ہیں۔ وہی یہاں اپنے جان و مال پر خاک ڈال کر لڑنے مرنے کے لئے سامنے نظر آ رہے ہیں۔ ان میں استاد، شاگرد، باپ، بیٹے، دادا، پوتے، ماموں بھانجے، خسر، داماد، سالے، بہنوئی اور دوست ہیں۔ اگر مجھے آخرت میں بھی سلطنت ملنے کا یقین ہو جائے۔ تب بھی ان لوگوں کو قتل کرنا پسند نہ کروں گا۔ ایسی صورت میں مجھ کو دنیائی بادشاہت کا کیا لالچ ہو سکتا ہے۔ میں ایسے گناہ کا مرتکب نہیں ہو سکتا کہ دیدہ و دانستہ اپنے یگانوں کو مار ڈالوں۔

اے سری کرشن! میں آپ کا چیلا بنتا ہوں۔ مجھے حق بات بتایئے۔

یہ استفسارات، یہ سوالات اور یہ روحانی شذرات کس درجہ معانی اور معارف سے سرشار ہیں۔ اس کا اندازہ گیتا کے پڑھنے سے ہو سکتا ہے جس کا ترجمہ دنیا کی ہر زبان میں ہو چکا ہے۔ اور جو شاید کتب میں ایک عجیب و غریب کتاب خیال کی جاتی ہے۔

جواب میں کرشن جی فرماتے ہیں:-

کہ تم ایسے نفوس کیلئے رنج و افسوس کرتے ہو جو بالکل اس کے اہل نہیں ہیں۔ حقیقت شناس نہ زندوں کا رنج کرتے ہیں اور نہ مردوں کا غم۔ نہ کبھی میرا وجود تھا اور نہ کبھی تمہارا وجود تھا۔ اور نہ کسی حکمران کا وجود تھا۔ ہم سے کبھی کوئی معدوم نہ ہوگا۔ جو روح کو فانی تسلیم کرتا ہے اور مقتول خیال کرتا ہے۔ وہ یقیناً عقل و معرفت سے خالی ہے۔ وہ نہ کسی کو ہلاک کرتی ہے اور نہ خود ہلاک ہوتی ہے۔ نہ کبھی پیدا ہوتی ہے اور نہ کبھی مرتی ہے۔

پس روح کو ان صفات سے متصف سمجھ کر تم کسی امر کا رنج نہ کرو۔

یہ جواب لاجواب حکمت اور یقین سے مالا مال ہے جو انسان کو عملی قربانی اور ایثار کی دلنشین تعلیم دیتا ہے۔

آگے چل کر فرماتے ہیں :-

دنیا عالم بے مثال ہے - یہ عالم برزخ کا پرتو ہے - اس ظاہری سایہ کے اُس طرف ایک اور دنیا ہے - جو لازوال، غیر متبدل، ہمیشہ پیوستہ، پائدار، مُحکم اور ابدی ہے - یہ عالم مثال ایک سراب ہے جس میں کوئی ذاتی واقعیت اور پائداری درانید ہے -

اس لئے تمہارے دنیوی افعال سراب وش تبدیلیاں ہیں - اور ان کا اثر عالم برزخ پر کچھ نہیں ہو سکتا ہے - جو افعال کرو گے - وہ محض اضطراری ہوگا - اس حیرت آباد کے لئے کچھ نفع و نقصان نہیں کر سکتا - تمہیں رنج محسوس ہوتا ہے - کیونکہ تمہارا عقیدہ ہے کہ تمہارے افعال .... عالم برزخ پر موثر ہوں گے - لیکن یہ خیالات وعقائد بالکل خام اور باطل ہیں - تمہاری ہستی بالکل خواب ہے - جو شخص اپنی زندگی کے فرائض ادا کرتا ہے اور اجر کی خواہش نہ رکھ کر انھیں برہم حقیقی کے سپرد کرتا ہے - وہ دنیا کی جھیل میں کنول کے پھول کی طرح تیرتا ہے اور اُسے مدوجزر کے تھپیڑوں سے ذرا بھی گزند نہیں پہنچتا - جو سب خواہشوں کو چھوڑ کر بالکل بے خواہش پھرتا ہے کسی میں محبت نہیں رکھتا - اُسکو اہنکار نہیں ہوتا - وہ شانتی پاتا ہے (گیتا دوسرا ادھیائے ۷۱ اشلوک)

کیا یہ اعلیٰ درجہ کا تصوف نہیں ہے - کیا یہ فلسفہ وحکمت کی روشن مثال نہیں ہے - اور کیا اس سے خرابات حیات وموت میں ہمیں تسلی وطمانیت کا سبق نہیں ملتا - نتیجہ یہ ہے کہ اسی طرح سری ارجن کے سوالات اور مقدس کرشن کے جوابات پر سوالات اور پھر اُن کے جواب الجواب میں مکالمہ کے طور پر فلسفہ اور معرفت کے دریا گیتا میں بہا دئے گئے ہیں

خلاصہ یہ کہ انسان مغالطہ اور مخالطہ کی پیدا کی ہوئی تکالیف سے نجات پانے کے لئے بقول سری کرشن تین باتوں کا خیال رکھے -

(۱) قدرت کاملہ اور قدرت اشیاء کا عشق -

(۲) فرائض جاننے کے لئے تحصیل علم -

(۳) افعال - یعنی ادائے فرائض بلا خواہشات نفسانی -

آخر میں ہم سری کرشن جی کی تعلیمات کا لب لباب ان مطالب کے ساتھ بانٹتے ہیں کہ انسان ایک پوشیدہ لازوال مستحکم غیر متبدل اور خوش حال عالم کا جزو ہے۔ یہ پوشیدہ عالم اس کی نظر سے غائب ہے۔ یعنی گو وہ اسی میں رہتا ہے۔ مگر اس پر خواب غفلت طاری ہے۔

حاصل: ایسی ہدایت پر انجام یہ ہوا کہ ارجن افسردہ دل میں جوش پیدا ہوا اور وہ جنگ گاہ شجاعت گاہ اور شہادت گاہ میں مردانہ وار کود پڑا۔

خدا نے کرشن جی کے ذریعہ کمزوروں اور بے پناہوں کو فتح دی۔ یہ ایک خدائی لازوال کلیہ ہے " کَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ عَلیٰ فِئَةٍ كَثِيرَةٍ - رکوع ۲۶ سورہ بقر پارہ ۲ -

(بہت سی چھوٹی تعداد والے گروہ کثیر التعداد گروہ پر غالب ہوئے ہیں)

اگر آج سری کرشن کی صحیح تعلیمات آسان لفظوں میں آریہ ورت کے کونہ گوشہ میں پہنچائے جائیں۔ تو بہت سے کمزوروں اور بے جان ہستیوں میں نئی روح پیدا ہو جائے۔ زمانہ جس طرح گزرتا جائے گا اور پردہ ہائے تعصب و جہالت اٹھتے جائیں گے۔ اسی طرح اس معظم رہنما انسان کی زندگی اور عجیب و غریب تعلیم روز روشن [illegible] جائے گی۔

پس اس حیثیت میں بھی وہ ذات عالی انتہائے کمال پر پہنچی ہوئی ہے۔ گیتا جیسا اسرار حقیقت کی تصنیف پہلے کی گئی اور نہ کی جا سکتی ہے۔ [illegible] اپنشدوں کے مفسر اس کثرت سے گزرے ہیں کہ پردہ ابہام انتہا کو پہنچ گیا [illegible] ہے۔ ہر مفسر اپنے ہی خیالات کے مطابق تفسیر کرتا ہے۔

ایسی حالت میں وہ ذات برحق جس سے شریعتوں کا وجود پیدا ہوا ہو گیتا کے زمانہ کی حیثیت سے دنیا میں جنم لیتا ہے۔ اور اصلی معنی ہم پر روشن کرتا ہے۔ تعجب ہے کہ زمانہ مابعد کے مفسر بھی گیتا کی تشریح کرنے میں اکثر اس کے مفہوم اور موضوع تک نہیں پہنچ سکتے۔ گیتا میں کچھ اور لکھا ہے اور یہ زمانہ حال کے ٹیکا کار کچھ اور لکھتے ہیں۔ ایک ادویت مت کا پیرو کسی اپنشد کی تشریح کرنے بیٹھتا ہے۔ [illegible]

اشلوک۔ دویت خیال کے ملتے ہیں۔ اِن سبھوں کو توڑ مروڑ کر اپنے ہی خیال کے مطابق معنی لگا لیتا ہے۔ علیٰ ہذا۔ دویت۔ عقیدہ کا عالم ادویت خیال کے اشلوکوں کو مسخ کرکے اپنے رنگ میں ڈھال لیتا ہے۔ مگر گیتا میں سارے نکتے آئینے کی طرح روشن کردیئے گئے ہیں۔ اور اُس کا لُبِ لباب چند الفاظ میں یہ ہے۔ کہ

"روح انسانی بتدریج قدم بقدم کثیف سے لطیف۔ اور لطیف سے لطیف تر مدارج پر پہنچتی ہوئی بالآخر ذات مطلق میں وصل ہوجاتی ہے۔"

کرم کانڈ سے بھی بحث کی گئی ہے۔ اور ثابت کیا گیا ہے کہ بلا خلوص قلب کے وہ ذریعۂ نجات نہیں ہوسکتا۔ مورتی پوجن۔ اور مراسم دینی جائز تسلیم کئے گئے ہیں۔ صرف صفائی قلب درکار ہے۔

عبادت اُسی حالت میں وسیلۂ نجات ہوسکتی ہے جبکہ باطن صداقت سے معمور۔ اور دل کثافت سے دور ہو۔ عبادت کے مختلف طریق۔ مختلف اَبنائے ضروری ہیں۔ ورنہ اُن کا وجود ہی نہ ہوتا۔ ہماری نئی روشنی کے اکثر نوجوان خیال کرتے ہیں کہ یہ مختلف فرقے اور مذاہب غرضمندوں اور مکاروں نے دنیا کمانے کے لئے بنا رکھے ہیں۔

اُن کا یہ خیال بادی النظر میں کیسا ہی صحیح نظر آتا ہو۔ مگر واقعیت کے برعکس ہے فرقے اور مذاہب کی ابتدا یوں نہیں ہوئی۔ وہ سب روح انسانی کے رجحانات کے نتیجے ہیں۔ وہ سب دنیا کے مختلف طبائع کی تسکین و تشفی کرنے والے ہیں اور تمھیں ان میں عیب ڈھونڈھنے کی ہرگز کوشش نہ کرنی چاہیے۔ جس دن اُن کی ضرورت باقی نہ رہے گی۔ وہ خود بخود صفحۂ ہستی سے مٹ جائیں گے مگر جبتک اُن کی ضرورت رہے گی وہ ضرور قائم رہیں گے۔ خواہ تم اُن کی کتنی ہی مخالفت کرو ہو۔ کتنے ہی عیوب نکالو۔ توپیں اور بندوقیں منہ سے آگ برسائیں۔ تلواروں سے خون کی ندیاں بہیں۔ مگر جبتک ان مورتیوں اور فرقوں کی ضرورت موجود رہے گی

ــــ ریاضت ۱۴ ـ

انھیں کوئی مٹا نہیں سکتا۔

اور سری کرشن نے صاف صاف فرمایا ہے کہ اِن کا قائم رہنا برحق اور لازم ہے۔

اب تاریخ ہند کا ایک افسوسناک زمانہ آتا ہے۔ فرقوں کے غلو و فساد اور شور و شر کی آوازیں گیتا ہی میں آنے لگی تھیں۔ مہاراج کرشن کی وفات سے پہلے ہی فتنہ و فساد نے پھر زور پکڑ لیا تھا۔ اور اب کے ملک پر جو طوفان آیا وہ مذہب کی بنیاد پر نہ تھا۔ بلکہ ذات پات کی تفریق پر۔ برہمن اور چھتری جو ہندو سماج کے دو رکن اعظم ہیں۔ اپنے اپنے احاطے سے قدم باہر نکالنے لگے۔ اور نتیجہ وہی ہوا جو ایسی حالتوں میں اکثر ہوا کرتا ہے۔

تقریباً ایک ہزار برس کے طوفان اور سیلاب کے بعد ایک اور بڑے مہاتما کا ظہور ہوتا ہے۔ اور یہ گوتم شاکیہ منی ہیں۔ آپ لوگ اُن کی تعلیم اور تلقین سے واقف ہیں۔ ہم اُن کو ایشور کا اوتار مانتے ہیں۔ جس اخلاق اور رحم کا جیسا اعلیٰ معیار انھوں نے قائم کیا وہ بدھ دنیا پر اور کہیں نظر نہیں آسکتا۔ وہ زبردست کرم یوگی تھے۔ گویا خود مہاراج سری کرشن اپنے اصولوں پر عمل کرنے کے لئے اپنے ہی شاگرد بن کر دنیا میں آگئے۔

ایک بار پھر وہ ہندو مذہبیت سے لبریز آواز سنائی دی جس نے گیتا میں کہا تھا۔ عورتیں۔ اور ویش اور شودر سب اپنے اپنے کرموں کے مطابق نجات حاصل کر سکتے ہیں۔ گویا گیتا کی تلقینات کی زندہ مثال پیش کرنے کے لئے۔ گویا اسے عملی صورت میں لانے کے لئے گرو نے نیا سروپ دھارن کیا۔ اور یہ شاکیہ منی تھے۔

ایسے ہی اور بھی بزرگان ہو گزرے ہیں۔ اور سلسلہ ایک طرح ختم نہیں معلوم ہوتا مگر میں مسلمان ہونے کی حیثیت سے کسی مخصوص رشی منی کا اقرار نبی یا رسول کے درجہ میں نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ اس کی بابت ہمارا قرآن شریف خاموش ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ ضرورت کے وقت مصلح ظاہر ہونے کا ثبوت تواریخ

اور مذہبی کتب میں موجود ہے

قرآن شریف میں یہ ارشاد ہوتا ہے کہ ہر ملک و ملت کے واسطے خدا ایک ہادی[1] مقرر کرتا ہے۔ بعض رسولوں کے نام و حالات کی تصریح فرما دی گئی ہے۔ بعض کی نسبت اشارے کنائے کر دیئے ہیں۔ اور پھر ایک کلیہ قاعدہ قائم کر کے حکم دیدیا گیا ہے کہ مسلمانوں کو خدا کے تمام رسولوں اور کتابوں پر ایمان لانا ضروری اور لازم ہے۔

مسلمان بھی زبان سے نہیں بلکہ دل سے یقین رکھتے ہیں کہ جن رسولوں کی اطلاع اُن کو پہنچی اور وہ جن کی نہ پہنچی۔ سب برحق ہیں۔

قرآن پاک بتاتا ہے کہ مذہب اسلام کی ایک خاص اور مختص خوبی یہ ہے۔ کہ وہ "مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ" ہر ایک سابقہ اور موجودہ مذہب حق کی تصدیق کرتا ہے

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ فرماتے ہیں:۔

"محسوس می گردد کہ کم بقعہ[2] باشد کہ در آں جا دعوت پیغمبرے نرسیدہ
تاکہ رسند نیز پیغمبراں مبعوث شدہ۔ بعضے را ہیچکس نہ گرویدہ۔ و
و بعضے را یک کس یا دو کس تقدیسات و تنزیہات او تعالیٰ کہ اہل
ہنود در کتب خود نوشتہ اند مقتبس از انوار مشکوٰۃ نبوت است
والا عقل نور ایشاں کے نہ ایں دولت مشہد شدے"

گویا اہل ہنود کے وہ تقدیسات الٰہی جو شریعت کے مخالف ہوں۔ قابل تسلیم ہیں۔ اور وہ بھی نبی من الانبیاء کے انوار نبوت کے لمعات ہیں۔ جس سے فائدہ اٹھانا ہر مومن کا لقب العین ہونا چاہیئے۔

حدیث شریف میں وارد ہے۔ کہ:۔

"کلمہ حکمت مومن کی گم شدہ چیز ہے جس جگہ مل جاوے وہ اسی کا حق ہے"

متاع نیک بر دکاں کہ باشد۔

---

[1] وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیْهَا نَذِیْرٌ یعنی کوئی ایسی قوم نہیں جس میں کوئی ہادی نہ آیا ہو۔ پارہ ۲۲۔ سورۂ فاطر۔ رکوع ۱۲۔ ۱۲۔ [2] قریہ۔ مکان۔ ۱۲۔

اے جلوہ گر ازل بد و نیک میں ہے　　　الّا میں جو معنی ہے وہی لیک میں ہے
ہے رام ہی رام سے زمانہ اُس کا　　　ہر کہتے ہیں اُسکو کہ وہ ہر ایک میں ہے

یہ بات معلوم کرنے کے بعد سوچنا چاہیئے کہ ملک ہندوستان جو دنیا میں ایک بڑا ملک کہلاتا ہے۔ اس بات کا مستحق ہے یا نہیں کہ یہاں بھی خدا نے اپنے دستور کے موافق پیغمبر بھیجے اور اُن کو ہدایت کرنے کے واسطے کتابیں دیں۔

اگرچہ قرآن شریف میں اس ملک کے رسولوں کی بابت کوئی تصریح نہیں پائی جاتی مگر خدا کے اس کلیہ کے موافق کہ ہر قوم کے لئے ایک ہادی ہے۔ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ہندوستان بھی اُن متبرک آدمیوں سے محروم نہیں رہا۔

ہندوستان کے نامور بزرگوں سری رام چندر جی مہاراج اور سری کرشن جی مہاراج اور مہاتما بدھ کے حالات پڑھنے اُن کی طرز زندگی پر غور کرنے اور اُن کی تعلیمات پر منصفانہ نظر ڈالنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اُن لوگوں کے وہی حالات تھے جو سیدنا حضرت ابراہیم و عیسیٰ و موسیٰ وغیرہ علیہم السلام کے پائے جاتے ہیں۔ اور وہی تعلیم تھی جن کا ذکر بار بار قرآن شریف میں آیا ہے۔

مگر افسوس ہے اس ملک کے بعض لوگوں نے اصلی بات معلوم کرنے میں توجہ نہیں کی اور ظاہری الفاظ پر عمل کر کے اُن پاکیزہ اصول کو خراب کر دیا۔ سب کسی مسلمان کو اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ دنیا کے ہر ملک اور ہر قوم میں ہادی آئے اور مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ قرآن کریم میں جن ۲۵ یا ۳۰ نبیوں کے نام خصوصاً لئے گئے ہیں۔ نبوت اور رسالت صرف اُنھیں میں محدود نہیں بلکہ لاکھوں انبیا دنیا میں گزر چکے ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے جیسا کہ ہم اوپر پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ ہندوستان جیسے وسیع و آباد خوش آب و ہوا ملک میں جہاں قدیم سے انسانی نسل کثرت آباد رہی ہے۔ کون کون سے نبی آئے ہیں۔ اس کا جواب ایک مسلمان یہی دیگا کہ اس ملک میں نبی تو مبعوث ہوئے۔ لیکن اُن کے ناموں اور شخصیتوں کا تعین

یقینی طور پر نہیں کیا جا سکتا۔

پہلے بھی ذکر کیا گیا ہے کہ جناب کرشن مہاراج اور رامچندر جی اور گوتم بدھ وغیرہ کو کوئی شخص فرستادہ خداوندی کہے جیسا کہ بعض بزرگان دین نے لکھا ہے تو اس سے انکار کرنا اسلامی تعلیم کے موافق ہرگز ضروری نہیں ہے۔ جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم کو بگاڑ کر یہاں تک نوبت پہنچائی گئی کہ اُس پاک نبی کو جو دنیا میں خدا تعالےٰ کی وحدانیت قائم کرنے اور شرک مٹانے کے لئے آیا تھا۔ اُس کے ماننے والوں نے خدا کہدیا۔ تو اسی طرح ممکن ہے کہ جناب کرشن جی کے ماننے والوں نے اُن کو خدا مان لیا۔ اور جسطرح انجیل میں تحریف و تبدیلی ہوئی اسی طرح گیتا میں تصرف ہوا۔

اور اس سے گزر کر میں کہتا ہوں کہ کوئی مسلمان کرشن جی وغیرہ کو نبی نہ مانے جیسا میں نے پہلے بیان کیا ہے اور اُن کی دشمنی سے اُن کو دشمن خدا جانے تب بھی اُس کو شایہ جرأت نہیں ہو سکتی کہ وہ مہاراج کرشن اور رامچندر وغیرہ بزرگوں کی شان میں گستاخیاں کرے یا اُن کو گالیاں دے۔

کیونکہ مسلمانوں کو خدا تعالےٰ نے منع فرمایا ہے۔ دیکھو سورہ انعام۔ پارہ ۷ رکوع ۱۸ ۔ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ۔

وہ لوگ اُس وقت کے مناسب حال ہدایت کو آئے تھے نہ کہ گمراہ کرنے کو۔

ما برائے وصل کردن آمدیم　　　نے برائے فصل کردن آمدیم

علاوہ ہدایت قرآنی کے ہمارے پیغمبر صلعم باوجود ایسی عظیم الشان حیثیت رکھنے کے تمام اقوام، سب قبائل اور جملہ فرقوں کے بزرگان کا ادب و احترام علی حد مراتبہم فرماتے تھے۔ تو ہم اُن کے خلق عظیم کا ایک ذرہ بھی اپنے اندر نہ رکھ کر بزرگوں کی تعظیم میں لاپروائی کریں۔ یا اس میں اپنی کسر شان یا کم وقعتی سمجھیں۔ اور اُن کے اقوام سے جی چرائیں۔ تو ہمارا یہ ایک نہایت مبتذل اور شرمناک خیال ہے۔ تحقیقات ہائے جداگانہ کے اختلاف پڑ گئے ہیں۔ وہ چلے ہی آتے ہیں۔ کسی فرقہ